سلسلہ انجمن ترقی اردو

نمبر ۲

نکات الشعرا

یعنی

تذکرہ شعرائے اردو

مؤلفہ

سرتاج شعرا میر تقی میر

نظام الدین حسین پرنٹر

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

مندرجہ ذیل کتب صدر دفتر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے منگائیے

الفوز الاصغر ابن مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف فوز الاصغر کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب فلسفہ الٰہیین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انھیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے (عہ)

رہنمایان ہند۔ مشہور کتاب ہیروز آف انڈیا کا ترجمہ ہے شروع میں ہندو مذہب کے برگزیدہ مہاتماؤں کا بیان فاضلانہ مگر دلکش پیرایہ میں لکھا ہے، اس کے بعد سری کشن جی مہاراج کی سوانح اور گوتم بدھ کے پر اثر حالات آتے ہیں آخری حصہ میں شنکر اچاریہ رامانج اور رامانند کا ذکر ہے (عمر)

امرائے ہنود۔ پانسو سے زیادہ ہندو امرا کے حالات قلمبند ہیں، یہ کتاب گویا ان متعصب اور ناواقف مورخوں کا جواب ہے جو اسلامی حکومت پر تعصب کا الزام لگاتے ہیں درجہ اول درجہ دوم ۔۔۔

النجم۔ قوانین حرکت وسکون اور نظام شمسی کی شرح کے بعد چاند کے متعلق جتنے جدید انکشافات ہوئے ہیں ان سب کو جمع کر دیا ہے طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے ۸ر

تاریخ تمدن۔ سر ہنری بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا اردو ترجمہ ہے الف سے یے تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے حصہ اول عہر حصہ دوم عا

مقدمات الطبیعات۔ یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس دان حکیم ہکسلی کی کتاب کا ترجمہ ہے جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے اس میں مظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم وفضل کا مرقع ہے

البیرونی۔ کمالات ذہنی میں ابو ریحان بیرونی کا مرتبہ تعریف سے مستغنی ہے وہ دسویں صدی کا فاضل ہے مگر تبحر علمی اور دقیق النظری میں بیسویں صدی کا محقق معلوم ہوتا ہے۔ البیرونی اس کے حالات زندگی اور کمالات علمی پر مشتمل ہے (عہ)

فلسفہ اجتماع۔ تالیف ہے اور اس کا موضوع نفس اجتماعی یعنی جماعت کے اعمال وقومی دماغی کی تحلیل وتشریح ہے موجودہ انقلابات میں اس کا مطالعہ دلچسپی اور افادہ سے خالی نہ ہوگا اس پر انگلستان وہند کے علما واخبارات نے اچھے اچھے ریویو لکھے ہیں (عہ)

قاعدہ وکلید قاعدہ۔ مدت کے غور وخوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے جن اصول

مقدمہ

نکات الشعرا

از قلم

جناب مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۹	من دِعن	من وعن	۶۳	۱۲	زلف گے	زلف کے
۵	۵	از اکبر است	از اکبر آباد است	۷۱	۹	سادۂ رو	سادہ رو
۱۳	۱۱	مشکل ہے اس کا	مشکل اس کا	۷۸	۴	غزل باش	قزل باش
۱۷	۹	جدا کر کر	جدا کر کے	〃	۱۲	آوازہ پریشاں	آوارہ پریشان
۱۸	۷	شکر کہ تیرا	شکر کرکہ تیرا	۸۵	۱۱	یافتہ است	بافتہ است
۳۱	۴	ای در بنردِ حسن	ای در نبردِ حسن	〃	〃	میتوانم یافت	میتوانم بافت
۳۲	۱۴	چمن ہبندی	چمن بندی	۱۰۴	۳ کے بعد	———	لکیر نہیں چاہیے۔
۳۵	۲	ترگریباں گیر	تراگریباں گیر	〃	۹	سرکی لٹِ	سرکی لٹ
۳۶	۱۰	کس لِ آزردہ کے	کس دل آزردہ کے	۱۰۵	۶	صبائی احمد آبادی	یہاں نہیں چاہیے۔
		دامن کش ہیں خار چمن	دامن کش ہیں خارِ چمن	〃	۹	.	صبائی احمد آبادی ہونا چاہیے۔
۴۵	۶	در فہم شعر نہ دارِ اُو	در فہم شعرِ دار اُو	۱۰۷	۱۱	کسی نے نہ دیکھا	کسی نے دیکھا
۵۸	۵	نچوڑتے	نچوڑ دیں	۱۱۰	۶	رو رو بخوارا	رو رو آنکھوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۵	۳	طایق النعل	طابق النعل	۱۶۶	۸	اُدھر	اُودھر
"	۴	ہرچیند	ہرچند	۱۶۸	۴	سنبھل کے	اُٹھا کے
۱۱۹	۹	اَجان پہنچو	جان پہنچو			پہس	چل
۱۲۸	۱۰	بھڑکائے	بھڑکائی	۱۷۰	۸	اودھرتلک	اُودھرتلک
۱۳۲	۳	تج	تیج	۱۷۶	۱۲	لوئی	کوئی
۱۴۳	۱	حا	گلی خانقاہ کا	۱۸۱	۲	سنبل	سنبھل
۱۵۹	۵	بن عاجز	این عاجز				
۱۵۰	۵	حس ہی	جس ہی				
۱۶۶	۱	اُدھر	اُودھر				

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بزمِ سخن میں میر صاحب کی میرِ مجلسی مُسلّم ہے۔ ع "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں"۔ اُن کے بہتّر[۷۲] نشتر اب تک ہزاروں دلوں میں چُبھ رہے ہیں ع سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے؛ لیکن بہت ہی کم نگاہیں ہیں جنھوں نے میر صاحب کی انشا پردازی یا وقائع نگاری کا کوئی نمونہ دیکھا ہوگا۔ انجمن ترقی اُردو کا ہم کو ممنون ہونا چاہیے کہ اُس کی کوشش سے میر تقی صاحب۔ میر اکبرآبادی کا تذکرہ "نکات الشعرا" شائع ہوتا ہے۔ عام طور پر ابتداءً اس تذکرہ کا علم تذکرۂ "آبحیات" کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ مگر نکات الشعرا کا جو چہرہ آبحیات میں نظر آتا ہے وہ اُن خط و خال کے بالکل برعکس ہے جو اب ہمارے سامنے ہیں۔ اس کی بحث آگے ملاحظہ ہوگی۔

نکات الشعرا چھوٹی تقطیع کے ۸۷ صفحوں کا ایک مختصر رسالہ ہے مگر چونکہ ایک اُستادِ فن کی تصنیف ہے اس لیے ادبی، تاریخی اور معاشرتی معلومات اور فوائد سے مالا مال ہے۔ اس میں ایک سو دو[۱۰۲] شعرا کا تذکرہ ہے جن میں بتّیس[۳۲] دکنی و گجراتی ہیں۔ میر صاحب

دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ اب تک شعرائے ریختہ کا کوئی تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ اس بیان کے مطابق "نکات الشعرا" اردو شعرا کا پہلا تذکرہ ہے۔ اس زمانہ کے رواج کے مطابق یہ تذکرہ بھی زبانِ فارسی میں لکھا گیا ہے۔ اس کا عہدِ تصنیف احمد شاہ بادشاہِ دہلی کا زمانہ ہے۔ میر صاحب کے عہدِ شباب کی تالیف ہے جبکہ وہ دہلی میں تازہ وارد تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "مولفِ این نسخہ متوطن اکبرآباد است۔ بسببِ گردشِ لیل و نہار از چندے در شاہجہان آباد ست" اندازِ بیان کہہ رہا ہے کہ وطن کی یاد بھولی نہ تھی۔

مؤلف تذکرہ اِس تذکرہ کی مدد سے میر صاحب کے جن حالات اور اوصاف پر روشنی پڑتی ہے اول اُن کا لکھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ میر صاحب آگرہ کے باشندے تھے اور **خان آرزو** کے تربیت یافتہ شاگرد۔ چنانچہ ایک موقع پر اُن کی نسبت لکھتے ہیں "اُستاد و پیرو مرشدِ بندہ است"۔ تحصیلِ علمی کا حال واضح نہیں ہوتا۔ مگر تذکرہ شاہد ہے کہ فارسی میں استعداد کامل تھی۔ اور اُستاد کی تربیت کا پورا فیض حاصل کیا تھا۔ بعض جگہ عربی کے فقرے بھی استعمال کیے ہیں مثلاً "طاق النعل بالنعل"۔ آگرہ سے دلّی آئے اور خواجہ میر درد قدس سرہٗ اور اُن کے والد ما جد

خواجہ ناصر صاحب عندلیب کے یہاں آنے جانے لگے۔ اُن کے یہاں اُردو مشاعرہ ہر مہینہ کی پندرھویں تاریخ کو ہوا کرتا تھا۔ میر صاحب اُس میں بھی شریک ہونے لگے خواجہ صاحب اندازِ طبیعت دیکھکر فرماتے "میر محمد تقی، تو میر مجلس خواہی شد"۔ میر صاحب کا عقیدہ ہے کہ اُن کا کمالِ سخن دعائے "درد" کے اثر کا منت کش ہے۔ اتفاقاتِ زمانہ سے مشاعرہ کا سلسلہ خواجہ صاحب کے یہاں درہم برہم ہوگیا تو اُنھوں نے میر صاحب سے فرمایا کہ اپنے یہاں مشاعرہ کیا کرو۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل میں ہر مہینہ کی پندرھویں تاریخ کو میر صاحب کے مکان پر مشاعرہ ہونے لگا۔ خواجہ صاحب بھی شرکت فرماتے۔ میر صاحب خواجہ صاحب کے حال میں لکھتے ہیں "مجلسِ ریختہ کہ بخانہ بندہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ مقرر ست واللہ بذاتِ ہمیں بزرگ است" میر صاحب ایک مرتبہ شہر بھی گئے تھے۔ اور وہاں انعام اللہ یقین کے دادا سے ملے تھے۔ اُن کے اخلاق و تواضع کی تعریف لکھی ہے۔

میر صاحب کے اوصاف نکات الشعرا کو غور سے پڑھنے کے بعد پورا یقین ہوجاتا ہے کہ میر صاحب نہایت پاک مشرب۔ مودب و مہذب زندہ دل۔

یاربا ش - انصاف پسند اور منکسر المزاج انسان تھے - دوستی کے مراتب اُن کے دستور العمل میں بہت وضاحت اور صفائی سے درج تھے - ہر موقع پر اس کی تصریح لازم ہے - بے تحقیق کسی بات کا لکھنا پسند نہیں کرتے تھے - بیان ہائے ذیل پر غور کریں صفاتِ بالا عیاں ہونگے -

پاک مشربی - خواجہ میر ناصر صاحب "عندلیب" کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے "حضرت خواجہ ناصر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کہ منقبت ایسے عالم ستنا" خواجہ میر درد صاحب کی نسبت اِن سے بھی زیادہ پاک الفاظ استعمال کیے ہیں - نمونہ ملاحظہ ہو "ایامے کہ فقیر بخدمت آں بزرگوار شرف اندوز مے شد از زبان مبارکش فرمود "میر تقی میر - تو میر مجلس خواہی شد" الحمدللہ والمنتہ کہ حرف آں سر سلسلۂ خدا پرستاں موثر افتاد - باطن آں حضرت قبلۂ اہلِ عرفاں کہ از ظاہر ظاہر تر ست روِ کار کرد - مجلسِ ریختہ کہ بخانہ بندہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ مقرر ست واللہ بذات ہمیں بزرگ ست" حضرت میرزا مظہر قدس سرہ کی نسبت لکھا ہے "مرولیست مقدس - مُطہر درویش - عالم - صاحب کمال شہرۂ عالم - بے نظیر - معزز - مکرم...... اکثر اوقات در یاد الٰہی صرف میکند - خوش تقریر بمرتبہ ایست کہ

در تحریر نگنجید" چند نمونے اور ملاحظہ کیجیے (میاں شرف الدین کے حال میں) "از احفادِ حضرت شیخ فرید شکر گنج بود۔ نور اللہ مرقدہٗ" (شاہ مبارک آبرو کے حال میں) "نبیسہ حضرت محمد غوث گوالیاری است۔ نور اللہ مرقدہٗ" در عرسِ سید حسن رسول نما۔ صاحبا قدس سرہ العزیز" حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ" حضرت حافظ قدس سرہ العزیز"

ادب و تہذیب۔ معاصرین کا ذکر عموماً ادب اور محبت سے کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔ میرزا سودا" جوانیست خوش خلق و خوش خُو گرمجوش۔ یار باش۔ شگفتہ روے......غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و رباعی ہمہ را خوب میگوید۔ سرآمد شعرائے ہندی اوست۔ بسیار خوش گوست۔ چنانچہ مَلِک الشعرای ریختہ اورا شاید۔ اکثر اتفاقِ طرح غزل باہم می افتد۔ غرض از مغتنمات روزگار است" سجاد اکبرآبادی" بسیار آدمی خوبیست سخن او بپایۂ اُستادی رسیدہ۔ ہر بیت نفیضش بر جگر نشتر زدہ" کرم اللہ خاں درد" بسیار خوش فکر و عاشق سخن۔ خالی از دردمندی نیست۔ خوب میگوید و خوب می فہمد.......... مرد خوش سمت۔ خداش زندہ دارد" میر حسن" جوان اہلیست نوکر پیشہ۔ اکثر در بندہ

خانہ بہ تقریبِ مجلس تشریف می آرد۔ وضع مرد آدمیانہ دارد" شاگردوں کو اس طرح یاد کیا ہی۔ "میر عبدالرسول نثارؔ، از یارانِ فقیر مولف ست چنانچہ شعر بمشورتِ من میگوید۔ سید نجیب۔ جوان سعادتمند" محمد محسنؔ (میر صاحب کے بھتیجے بھی ہیں) "مصرعہ ریختہ بمشورتِ من موزوں میکند خوب خواہد گشت۔ انشاء اللہ تعالیٰ" کسی جگہ شاگرد کو شاگرد نہیں لکھا بلکہ ہر جگہ دوست ہی لکھا ہی۔ بعض ایسے شعرا کا بھی ذکر ہی جو پہلے ان کے شاگرد تھے پھر دوسرے اُستادوں کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہو گئے۔ ظاہر ہی کہ یہ برہمی کی ایک خاص صورت ہی۔ مگر میرؔ صاحب اس پر کبھی بد دماغ نہیں ہوتے نہ شکوہ کرتے ہیں۔ دیکھو بندرا بن راقمؔ کا ذکر۔ فرماتے ہیں "از شاہجہان آباد ست۔ مشقِ سخن از میرزا رفیع میکند۔ قبل ازیں با فقیر نیز مشورت شعر میکرد" اس کے بعد راقمؔ کے بہت سے اشعار انتخاب کیے ہیں۔

تحقیق۔ نکات الشعرا اگرچہ ایک شعرا کا تذکرہ ہی کوئی تاریخی کتاب نہیں ہی۔ تاہم میر صاحب نے یہ التزام کیا ہی کہ جو واقعہ تحقیق نہ ہو اُس کو نہ لکھیں یا (اگر کسی وجہ سے لکھیں تو) اس کا غیر محقق ہونا ظاہر کر دیں۔ جن شعرا کا حال معلوم نہ تھا وہاں صاف

لکھ دیا ہے کہ اُن کا حال معلوم نہیں۔ ولی دکنی کی بابتہ لکھا ہے "و احوالش کما ینبغی معلوم من نیست"۔ درد مند کے حال میں لکھتے ہیں "ہر چند کہ یک ملاقات با او کردہ ام لیکن خوب از احوالش مطلع نیستم"۔ میرزا بیدل عظیم آبادی کے ذکر میں لکھا ہے "ریختہ بنام او شنیدہ می شود شاید بتقریبے گفتہ باشد"۔ اسی طرح میرزا معز فطرت کے اردو شعر کی نسبت لکھتے ہیں "ہیچ مسموع ست کہ ایں شعر ریختہ شاعر مرقوم گشتہ" "واللہ اعلم"۔ اسی کے ساتھ امیر خسرو کے کلام ریختہ کی بابتہ فرماتے ہیں "اشعار ریختہ۔ آں بزرگ بسیار دارد۔ دریں خود تردوے نیست"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ میر صاحب کے زمانے تک امیر خسرو کا کلام ریختہ بہت ملتا تھا۔ افسوس ہے کہ اس زمانہ میں باوجود تلاش نواب حاجی اسحق خانصاحب مرحوم اُس کے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

انکسار مزاج۔ تمام تذکرہ میں ایک لفظ بھی میر صاحب کے قلم سے ایسا نہیں نکلا جس سے اُن کی خود بینی و خود پسندی یا بدماغی اور تعلّی عیاں ہو۔ برخلاف اس کے اپنا ذکر ہر جگہ منکسرانہ لہجے میں کیا ہے۔ اپنے آپ کو "بندہ۔ فقیر۔ احقر۔ عاجز ترین خلایق۔ ہیچمدان۔ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اپنا ذکر جہاں لکھا ہے۔ یوں لکھا ہے "فقیر حقیر

میر محمد تقی میر مؤلفِ ایں نسخہ متوطن اکبرآبادست" اپنے "تذکرہ کو مزخرفات کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ بسمل کے حال میں کہتے ہیں "پیشتر از نوشتنِ این مزخرفات آوازہ او شنیدہ بودم" دوسروں کا ذکر جس تہذیب و ادب سے کیا ہے اُس کو آپ دیکھ چکے۔ اِس انکسار اور ادب کی کیفیت دیکھ کر ایک خاص اثر دل پر میر صاحب کے اوصاف کا پڑتا ہے۔

میر صاحب کے اعتراض کا انداز بھی دیکھ لو۔ شیخ حاتم کا ایک مصرع ہے۔ ع یاد کر کر سبزہ رویاں کو وہ اب پیتا ہے بھنگ۔ میر صاحب اس کی نسبت لکھتے ہیں " در لفظ سبزہ رویاں تامل کردن ضرورست زیرا کہ آشنائے گوش ایں ہیچمدان نیست"

بے لاگ رائیں اور انصاف۔ باوجود اس تہذیب اور انکسار کے جہاں بلحاظ وقائع نگاری ردّ و قدح ضروری تھی وہاں بے لاگ رائے ظاہر کی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ انصاف کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ دونو کے نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

خاکسار کے حال میں لکھا ہے " شعر ریختہ میگوید۔ و خود را دور میکشد و بسیار سفلگی میکند بلکہ از تنک آبی بناے ریختہ را بآب رسانید" تاقب کی نسبت " در ہمہ چیز دست دارد و ہیچ نمی دارند" شیخ حاتم

کی نسبت "مردیست جاہل۔ وتمکن و متقطع وضع دیرآشنا۔ غنا ندارد دریافتہ نمی شود کہ ایں رگِ کہن بسببِ شاعریست کہ ہمچو من دیگرے نیست یا وضع او ہمیں ست خوب ست ہارا بانیہا ہیچ کار شعر بسیار دارد" انعام اللہ یقین کے متعلق" القصہ پرو پوچ چندے کہ یافتہ است کہ ماد شما نیز توانیم بافت ایں قدر بر خود چیدہ است کہ رعونتِ فرعون پیش او پشتِ دست بر زمین میگذارد۔ بعدِ ملاقات ایں قدر خود معلوم شد کہ ذائقہ شعر فہمی مطلق ندارد" اب انصاف ملاحظہ ہو۔ انھیں یقین کی بابتہ لکھتے ہیں کہ در بزرگ زادگی و شرافت میاں یقین سخنے نیست" میر عبدالحی تاباں۔ کی نسبت" ہرچند عوضہ سخن او ہمیں در لفظہائے گل و بلبل تمام ست۔ اما بسیار رنگیں میگفت" میر علی نقی کی بابتہ" در ایام گزشتہ دو سہ ماہ خانہ خود مجلس ریختہ مقرر کردہ بود آخر از وضع او باشانہ او برہم خورد۔ در بزرگ زادگی او شبہ نیست۔ با فقیر رابطۂ دلی دارد" مذکورہ بالا رایوں پر غور کرو۔ عیب و صواب بلا کم و کاست لکھدے ہیں۔ عیب پر اعتراض تھے تو خوبی کا اعتراف دلی دوستی نے لاگ رلے ظاہر کرنے سے مانع نہیں۔ او باشانہ وضع۔ بزرگ زادگی۔ ربطِ دلی ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر قایم ہے۔

کمال انصاف- میر سجّاد کے ساتھ تعلقاتِ ذاتی تو ہے کہ گو پہلے ملاقات تھی- مگر پھر نوبت یہ پہونچی کہ طرفین کی کشش سے ایک گونہ ربط رہ گیا- صاف یوں سمجھو کہ بگاڑ ہوگیا وضعداری رکھی- باوجود اس کے دیکھو میر تقی کے پایہ کا شاعر- سجاد کے ایک شعر پہ بیخود ہے- ان ہی سجاد کے ایک شعر کی داد میر صاحب کے قلم سے اس جوشِ قدردانی کے ساتھ نکلی ہے- شعر یہ ہے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے

جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

داد ملاحظہ ہو "ہمہ شعر سبحان اللہ لیکن فقیر را از دیدنِ ایں شعر تواجد دست می دہد- از بسکہ از خواندنِ ایں شعر حظے بر میدارم میخواہم کہ بصد جا بنویسم" میزانِ عدل کے دونو پلوں کو یوں مساوی رکھنا جناب میر صاحب ہی کا حصہ ہے ؎ آفریں بر دست و بر بازوے تو-

یہ "بے تہذیبی" کا زمانہ تھا- آج "تہذیب" کے زمانہ میں رائے کا جو عالم ہے اُس پر بھی ایک نگاہ ڈالکر مقابلہ کریجیے شاید نتیجہ مفید نکلے-

دوستی کے مراتب- ہم میر صاحب ہی کے الفاظ- ایک

ترتیب کے ساتھ لکھے دیتے ہیں۔ دوستی کے مراتب اور اُن کا لحاظ خود بخود عیاں ہو جائے گا اور آپ کہہ اٹھنگے عیاں را چہ بیاں (درد مند) "ہرچند کہ یک ملاقات با او کردہ ام" (ناجی) "با او یک دو ملاقات کردہ ام" (شاغل) "پیش بندہ ہم دو سہ مرتبہ آمدہ" (پیام) "بندہ اکثر ملاقات کردم" (شیخ محمد قایم) "با من ہم آشنائے بیگانہ است" (یقین) "با بندہ ہم آشنائی سرسری دارد" (میر علی نقی) "با فقیر ربطے دلی دارد" (ٹیک چند بہار) "با فقیر ہم آشناست" (کلیم) "یک اخلاص تہ دلی دارم و اکثر بحال ایں ہیچمدان شفقت میفرماید" (میر عبدالحی تاباں) "با فقیر یک صفائے درست داشت از چندے بسبب کم اختلاطی ایں ہیچمدان کدورتے بمیاں آمدہ بود اجلش مہلت نداد کہ تلافیش کردہ آید" (میاں سعادت علی) "با بندہ ربط بسیار داشت" (میاں حسن علی) "بندہ را بخدمت او ربط کُلّیست اکثر اتفاق ملاقات می افتد" (غریب) "با ذُن بخیر یک آشنائے با مزہ داشتم بسیار خوش ظاہر بود" (سلام) "فقیر را با او از تہِ دل اخلاص ست چنانچہ اکثر اوقات باہم فکر شعر کردن و گپ زدن و مزاح نمودن می افتد جوانے خوب ست۔ خدا زندہ داردش"

سلام سے یہ اخلاصِ دلی کیوں تھا؟ اس لیے کہ سلام کے اوصاف یہ تھے" چوں یار باشے و مخاطب صحیح حقیقت جمیت لیاقت شخصیت آدمیت حرمت عظمت ہمہ دارد" دیکھو اس مرتبہ کو صرف یہی ایک خوش قسمت فرد پہنچ سکا وہ بھی مجموعۂ صفات نیکو۔ ذرا آج کل کے "میرے دوست" اور "دلی دوست" اور "پرانے دوست" کے الفاظ و معانی پر بھی غور کر لیجیے۔

اِصلاحیں۔ میر صاحب نے جا بجا شعرا کے کلام کی نسبت لکھا ہی کہ اس شعر میں بجائے فلاں لفظ کے یہ لفظ ہوتا تو خوب ہوتا۔ اِن اصلاحوں سے میر صاحب کے مذاقِ صحیح اور مرتبۂ اُستادی کا پتا لگتا ہی۔ میر سجاد کا ایک شعر ہی ؎

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یاں کوئی
مرجا ستم سے اُن کے تو کہتے ہیں حق ہُوا

میر صاحب نے لکھا ہی کہ کافر کی جگہ باطل ہوتا تو اچھا تھا۔ حق و باطل کے مقابلہ نے شعر میں جان ڈالدی۔ ٹیک چند بہار کا ایک شعر ہی ؎ "تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلیٰ کا قیس؛ یہ عجب منظر ہی جس کے مبتلا ہیں مرد و زن" میر صاحب فرماتے ہیں اگر دوسرا مصرع یوں ہوتا تو خوب ہوتا ع "حسن کیا منظر ہی جس کے مبتلا ہیں مرد و زن"

ذوقِ سلیم محسوس کرے گا کہ اب مصرع کس قدر زور دار اور چُست ہوگیا۔ آبرو سے

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے نقط
اس قدر نسخۂ فلک ہی غلط

میر صاحب نے دوسرا مصرع یوں بدلدیا ہے "کس قدر نسخۂ فلک ہی غلط" سبحان اللہ۔ ایک مَدْ نے مصرع کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ میر صاحب کے الفاظ یہ ہیں "اگر بجائے "اس قدر" "کس قدر" میگفت شعر بہ آسمان میرسید" میر سجاد سے

کس طرح کوہکن پہ گزریں گی
ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

میر صاحب کی اصلاح سے

ہجر شیریں میں کیونکہ کاٹے گا
کوہکن یہ پہاڑ سی راتیں

اسی طرح بلیغ و اُستادانہ اصلاحوں کی طرف جا بجا اشارے کیے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک اصلاح خانِ آرزو کی بھی سُن لو۔ میاں شرف الدین مضمون کا شعر تھا سے

مضموں نہ تو شکر کر کہ ترا نام سُن قیب ؟ غصہ سے بھوت ہوگیا لیکن جلا تو ہے

خانِ آرزو نے "نام" کی جگہ "اسم" بنا دیا۔ میر صاحب فرماتے ہیں۔
"وہ چہ اصلاح۔ زیرا کہ اہلِ دعوت "اسم" میخوانند نہ "نام"۔"

اِتفاقی اصلاح۔ مضمون کے حال میں لکھتے ہیں "میں اُن کے اشعار انتخاب کر رہا تھا۔ کلیم میرے پاس بیٹھے تھے میں نے مضمون کا یہ شعر ع میرے پیغام کو تو اے قاصد۔ کہو سب کے اُسے جُدا کر کے
اس طرح پڑھا ع میرا پیغام وصل اے قاصد۔ کہو سب سے اُسے جُدا کر کے۔ دیکھو شانِ اُستادی شعر غلط پڑھا تو بہتر ہو گیا۔ میرے خیال میں دوسرا مصرعہ بجائے کہو کے کہنا یا کہیو مانگ رہا ہے۔

طرزِ تحریر۔ میر صاحب فارسی با محاورہ لکھتے ہیں اکثر جگہ پُر لطف الفاظ قلم سے نکل جاتے ہیں۔ مثلاً خانِ آرزو کی نسبت لکھا ہے۔ "چراغِ دودمانِ صفائے گفتگو کہ چراغش روشن باد سراج الدین علی خان آرزو۔ خاکسار شاعر کے حال میں "بلکہ از تنک آبی بنائے ریختہ بآب رسانیدہ" خاکسار کے لیے "تنک آبی اور "بآب رسانیدہ" کس قدر موزوں ہے۔ تیسرا ایک شاعر تھا جو اکثر عریاں رہتا تھا اسی حال میں مر گیا۔ میر صاحب لکھتے ہیں "آخر در ہماں عریانی جامہ گزاشت" جامہ گزاشتن محاورہ ہے مرنے کے معنی ہیں۔

ٹیکچند بہار کے ذکر میں لکھا ہے" از لفظ لفظش ہزار ہزار رنگِ معنی گل میکند" اربابِ ذوق اس موقع پر "گل میکند" کے محاورے کی داد دیں گے۔ بیان مبالغہ اور بیجا لفاظی سے پاک ہے۔ جابجا اوستادانہ اشارے کرتے جاتے ہیں۔ فائدے لکھتے جاتے ہیں۔

دیباچہ میں ریختہ کی تعریف کی ہے" ریختہ کہ شعریست بطورِ شعر فارسی بزبانِ اُردوے معلاے شاہجہان آباد دہلی" خاتمہ میں ریختہ کی حسبِ ذیل چھ قسمیں لکھی ہیں۔ اوّل قسم۔ ایک مصرع فارسی اور ایک ہندی۔ دوسری قسم۔ آدھا مصرع فارسی آدھا ہندی۔ تیسری قسم فارسی کے حرف اور فعل استعمال کیے جائیں۔ یہ قبیح ہے چوتھی قسم فارسی ترکیبیں استعمال کی جائیں۔ ریختہ کے مناسبِ حال ترکیبیں مستعمل ہوں تو مضائقہ نہیں مگر اس لیے سلیقۂ شاعرانہ درکار ہے۔ یہ میرا مسلک ہے پانچویں قسم ایہام شعرائے سلف میں رائج تھا اب متروک ہے چھٹی قسم وہ طرز ہے جو ہم (اہلِ عصر) نے اختیار کی ہے۔ اُس میں جملہ صنعتیں ہیں۔ تجنیس۔ ترصیع۔ تشبیہ۔ صفائے گفتگو۔ فصاحت و بلاغت۔ ادا بندی۔ خیال وغیرہ سب اس کے ضمن میں آجاتی ہیں۔ میری بھی یہی طرز ہے۔ اس فن میں جو صاحبانِ طرزِ خاص ہیں وہ اِس نکتہ کو سمجھتے ہیں۔ یہ فائدہ اپنے دوستوں

کے لیے میں نے لکھدیا ہی ورنہ میدانِ سخن بہت وسیع ہی۔ ہر گلے
را رنگ و بوے دیگر ست۔

اکبرآباد اور اُردو۔ دہلی و لکھنؤ کی ہنگامہ آرائیوں میں اگرچہ
آگرہ گرد در گلو ہی مگر اُس کی لے زبانی صاف کہہ رہی ہی کہ تیسرے
دَوْر تک جو بلاکشانِ محبّت بزمِ سخن میں آئے اُن میں سے اکثر
کے دماغ اُسی کے بادۂ کہن سے پُر کیف تھے۔ شاہ مبارک آبرو
شیخ شرف الدین مضمون۔ سراج الدین علی خان آرزو۔ حضرت میرزا
مظہر قدس سرہٗ۔ میر تقی میر کی ذات پہ اول اکبرآباد کو ناز ہی اُس
کے بعد دلّی یا لکھنؤ کو۔ جب میرزا غالب بھی بزم آرا ہو جائیں تو
پھر آنکھ ملانا آسان نہیں رہتا۔ نکات الشعرا میں حسب ذیل اکبرآبادی
شعرا کا ذکر ہی۔ خانِ آرزو۔ میر صاحب ان کی نسبت لکھتے ہیں "ہمہ
اوستادانِ مضبوط فن ریختہ ہم شاگردانِ آں بزرگوارند" اب اکبرآباد
کی اُستادی سے کس کو انکار ہوگا۔ میر تقی میر۔ آبرو۔ مضمون۔ پیام
سجاد۔ ثاقب۔ شوق۔ انسان۔ عارف۔ بہار۔ نثار۔ محسن۔ میر صاحب
کی شہادت ہی کہ یہ سب کے سب عمدہ شاعر تھے۔ سجاد کی نسبت
لکھا ہی "سخن او بپایۂ اُستادی رسیدہ"

اُس عہد کی معاشرت۔ یہ تذکرہ احمد شاہ بادشاہ کے عہد کی

تالیف ہی جبکہ سلطنتِ مغلیہ کا چراغ گُل ہو رہا تھا۔ خانہ جنگیوں اور لوٹ مار کے ہنگامے برپا تھے۔ بدامنی کا دور دورہ تھا۔ دائرہ معاش بہت کچھ تنگ ہو چکا تھا۔ اس پر بھی اُس زمانہ کی معاشرت کی مضبوطی کو دیکھو۔ تمام خطرات اور مصائب سے بالاتر ہوکر اپنی وضع اور صفت پر قایم تھی۔ میر صاحب کے بیان کو غور سے پڑھو۔ تو صاف عیاں ہو جاتا ہی کہ اُس عہد کے شرفا کی خصوصیات یہ تھیں۔ خوبیِ اخلاق زندہ دلی۔ محبت اور صحبت کا نباہ۔ علم و فن کا ذوق۔ اور اُس کی خدمت۔ سپہگری اور خودداری و وضعداری۔ نکات الشعرا میں جن لوگوں کا تذکرہ ہی اُن کے ذکر میں ان اوصاف کے عدم اور وجود پر خصوصیت کے ساتھ نگاہ رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہی کہ اس زمانے میں ان ہی صفتوں پر نگاہیں پڑتی تھیں۔

فن ادب کی خدمت میں بزرگانِ دین۔ شعرا۔ اُمرا۔ طبقۂ اوسط۔ اہلِ قلم اور اہلِ سیف سب کے سب یکساں توجہ اور انہماک کے ساتھ مصروف تھے۔ جامعیت کو دیکھو۔ حضرت خواجہ میر درد اور حضرت میرزا مظہر قدس سرہما کمالِ درویشی و معرفت۔ علم۔ فارسی شاعری۔ اُردو شاعری۔ تربیتِ فن ادب۔ سپہگری اخلاق و محبت سب ہی اوصاف کے جامع تھے اور یہ صورتیں اُس دَور میں مُستثنا

صورتیں نہ تھیں۔ نکات الشعرا میں مذکورہ بالا طبقات میں سے ہر طبقہ کے اصحاب و اشخاص مذکور ہیں۔ جابجا درسگاہیں۔ اور ادبی مجالس قایم تھیں جہاں کمال کے جوہر چمکتے تھے اور اہلِ کمال پیدا ہوتے تھے۔ سیر اور تماشوں کے موقعوں۔ اور مذہبی جلسوں میں اہلِ کمال جمع ہوتے تھے۔ اور اُن کے دم سے علم و ادب کے چرچے رہتے تھے۔ چنانچہ قزلباش خانؔ اُمید کے حال میں میر صاحب لکھتے ہیں طبقۂ امرا میں داخل تھے۔ ہر سیر و تماشہ میں جاتے اور مجلس آراستہ کرتے۔ چنانچہ ایک روز دِلی دوستوں کی تحریک سے میں بھی سید حسن رسول نما صاحب قدس سرہٗ العزیز کے عُرس میں گیا تھا وہاں "امید" بھی تشریف رکھتے تھے۔ مجکو دُور سے دیکھ کر کہا "خوش باشید میں نے بھی اس زمانہ ریختہ کے دو شعر موزوں کیے ہیں شعر

درو دیوار سے اب صحبت ہے ؛ یار بن گھر میں عجب صحبت ہے
تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں ؛ الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

دیکھنا ایک ایرانی نژاد کیسے صاف اور بامزہ اشعار اُردو کے کہہ گیا۔ بہ قول میرؔ صاحب یہ فیضِ سخن ہے۔"

ہم ذیل میں میرؔ صاحب کی چند عبارتیں نقل کرتے ہیں اِن سے ہمارے بیان کی تائید ہوگی۔ (امید) نکتہ پرداز بذلہ سنج کوچک دلی

عزیز ولہا۔ یار باش۔ خوش اختلاط۔ خنداں و شگفتہ (مضمون) حریف ظریف۔ ہشاش بشاش، ہنگامہ گرم کُن محلسہا" (یکرنگ) میگویند کہ بسیار چسپاں اختلاط و آشنائے ورزت بود (سعادت) باہندہ ربطِ بسیار داشت۔ (کلیم) مردے سپاہی پیشہ (حشمت) یعنی میر محتشم علی خاں "سپاہی عمدۂ روزگار شاعر خوب فارسی و ریختہ..... باہمہ بعجز و انکسار پیش می آید" (عاصی) "در شمشیر شناسی دستے تامی دارد........ در علم تاریخ مہارتے خوب پیدا کردہ۔ از مغتنمات روزگارست۔ اگرچہ روزگار با او مساعدت نمی کند" (شوق) "سپاہی پیشہ" (میرحسن) "وضع مرد آدمیانہ دارد" (غریب) "با وش بخیر بایا آشنائے بامزہ داشتم۔ بسیار خوش ظاہر بود۔ بسبب پریشانی روزگار دو سال ست کہ بسمتِ بنگالہ رفت" (مبتلا) بسیار مربوط مضبوط الاحوال" (میر یہ دوسرے ہیں۔ غالباً میر سوز) "جوانیست بسیار اہل خوش طبع" (حاتم) "مردیست جاہل و شکن...... و بہ آشنا۔ ہمنا ندارد" (پاکباز) "بسیار کم اختلاط گویا آشنا شدن ندانند" (خاکسار) خود را دور میکشد و بسیار سفلگی میکند"

اگر "جادۂ تہذیب" بار دماغ نہو تو میں پوچھوں کہ آج کل بھی ان اوصاف کا "سوسائٹی" میں پتا ہے۔ رہے نام اللہ کا۔

آبحیات اور نکات الشعرا

آپ نکات الشعرا کے خط و خال دیکھ چکے۔ میر صاحب کے اوصاف بھی ظاہر ہو چکے۔ اب نکات الشعرا کا جو چہرہ آبحیات میں نظر آتا ہے اُس کو ملاحظہ کیجیے شمس العلما میر محمد حسین آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں

I "نکات الشعرا شایقِ شعر کے لیے بہت مفید ہے۔ اس میں سواے اُردو کے بہت سی باتیں اس زمانہ کے لوگوں کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ مگر وہاں بھی اپنا انداز قایم ہے۔ دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ یہ اُردو کا پہلا تذکرہ ہے۔ اس میں ایک ہزار شاعر کا حال لکھوں گا مگر اُن کو نہ لونگا جن کے کلام سے دماغ پریشان ہو۔ ان ہزار میں ایک بیچارہ بھی طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا۔ وَلی کہ بنی نوعِ شعرا کا آدم ہے اُس کے حق میں فرماتے ہیں" ولی شاعریست از شیطان مشہور تر" (دیکھو آبحیات صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ مفید عام پریس ۱۸۹۹ء)

II ایک جگہ لکھتے ہیں" اور خان آرزو کے پاس اُنھوں نے اور اُن کی شاعری نے پرورش پائی مگر وہ خانصاحب حنفی مذہب تھے اور میر صاحب شیعہ۔ اس پر نازک مزاجی غضب۔ غرض کسی مسئلہ پر بگڑ کر الگ ہو گئے" (دیکھو صفحہ ۱۸۸) پھر ایک جگہ لکھا ہے" ساتھ اُسکے

A Azad has written this on the authority of Qasim who [illegible]

میرصاحب کی بلند نظری اس غضب کی تھی کہ دنیا کی کوئی بڑائی اور کسی شخص کا کمال یا بزرگی اُنھیں بڑی نہ دکھائی دیتی تھی۔ اس قباحت نے نازک مزاج بناکر ہمیشہ دنیا کی راحت اور فارغ البالی سے محروم رکھا" میر سوز کے حال میں لکھا ہے "سوز مرحوم پہلے میر تخلص کرتے تھے۔ جب میر تقی۔ مرحوم۔ میر کے تخلص سے عالمگیر ہوئے تو سوز اختیار کیا" ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ "سوز نے ایک مشاعرے میں کہا تھا "فقیر نے تخلص تو میر کیا تھا مگر وہ میر تقی صاحب نے پسند فرمایا فقیر نے خیال کیا کہ اُن کے کمال کے سامنے میرا نام نہ روشن ہو سکے گا۔ ناچار سوز اختیار کیا" میر تقی صاحب چپ بیٹھے سُنا کیے" جا بجا آبحیات میں یہ بھی ذکر ہے کہ میر صاحب شاعری اور زبان اُردو صرف دِلّی والوں کا حق سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے میر قمرالدین مِنّت کو شاگرد نہیں کیا۔ لکھنؤ کے شائقین سخن اُن کا کلام سُننے آئے تو نہیں سُنایا" (دیکھو صفحات ۲۰۰ و ۲۰۲)

ایک اور جگہ لکھا ہے "افسوس یہ ہے کہ اوروں کے کمال بھی اُنھیں دکھائی نہ دیتے تھے۔ اور یہ "میر" سے شخص کے دامن پر نہایت بدنما دھبّا ہے۔ جو کمال کے ساتھ صلاحیت اور نیکوکاری کا خلعت پہنے ہو۔۔۔۔۔ خواجہ حافظ شیرازی اور شیخ سعدی کی غزل پڑھی جاتی

تو وہ سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے. کسی اور کی کیا حقیقت ہے" یہ اور اسی قسم کے بہت سے بیان ہیں آبحیات میں دیکھتا ہوں تو غرقِ حیرت ہو جاتا ہوں. اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ماجرا کیا ہے ۔ سارے مضمون نکات الشعرا کے بالکل خلاف اور ضد ہیں۔ نکات الشعرا کے **دیباچہ** میں یہ نہیں ہے کہ اس میں ایک ہزار شاعروں کا ذکر لکھونگا۔ یہ بھی نہیں ہے کہ اُن کا ذکر نہیں لکھونگا جن سے دماغ پریشان ہو۔ میر صاحب متعصب یا تنگ نظر نہ تھے۔ بزرگانِ دین کا ذکر جس ادب سے کیا ہے اس سے اُنکی وسعت مشرب اور پاک دلی صاف ظاہر ہے۔ پھر اُستاد سے کیوں لڑتے اور کیوں بگڑتے۔ میر صاحب خانِ آرزو کو اپنا اُستاد بلکہ پیرو مرشد بتاتے ہیں۔ **آزاد** کہتے ہیں "بگڑ کر الگ ہو گئے" میر صاحب نے نکات الشعرا میں اپنے سامنے کے لڑکوں کے کلام کی خوبی بھی تسلیم کی ہے۔ میر سجاد اُن کے سامنے طالبِ علم تھے تاہم اُن کی نسبت فرماتے ہیں "سخن او بپایۂ اُستادی رسیدہ" اُن کے ایک شعر پر سر دُھنتے ہیں۔ وجد کرتے ہیں۔ سو جگہ لکھنے کی تمنا کرتے ہیں **آزاد** کا بیان مانا جائے تو وہ سعدی و حافظ کی غزل پر سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے **مضمون** قصبۂ جاجمٔو ضلع آگرہ کے رہنے والے تھے اُن کی شاعری کا ذکر

میر صاحب نے بہت خوبی سے کیا ہے۔ جاجمؤ کا باشندہ شاعر ہو سکتا تھا تو سون پت نے کیا گناہ کیا تھا۔ ولی کی نسبت میر صاحب نے یہ ریمارک کیا ہے "از کمالِ شہرت احتیاجِ تعریف ندارد" شیطان والا فقرہ سارے تذکرے میں کہیں نہیں۔ مثل مشہور ہے "ولی کے گھر میں شیطان" شاید اسی طرح یہ فقرہ آزاد کے ذہن میں پیدا ہوا ہو۔ میر سوز کے تخلص کی نسبت میر صاحب نکات الشعرا میں لکھتے ہیں "محمد میر، میر تخلص جوانے ست۔ بسیار اہلِ خوش طبع۔ چنیں بہت طرزِ علیحدہ دارد لیکن از خوش کردن تخلص من نصف ولم از وخوش" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب نے تخلص پسند نہیں کیا بلکہ میر سوز نے پسند کیا۔ آزاد نے لکھا ہے کہ "ایک ہزار شعرا میں سے کوئی بیچارہ میر صاحب کے طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا" حالانکہ میر صاحب نے قریبًا سب کو خوبی سے یاد کیا ہے۔ بعض کی نسبت جہاں وقائع نگاری کے فرض نے مجبور کیا البتہ خلاف رائے لکھی ہے مگر وہ بھی طعن اور ملامت کے پیرایہ میں نہیں۔ آزاد نے ہر جگہ میرزا مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام "جان جاناں" لکھا ہے۔ حالانکہ میر صاحب نے "جان جاں" لکھا ہے۔ جو صحیح ہے۔ ایک شخص نے "جان جاناں" شعر میں باندھا تو میر صاحب نے ٹوکا کہ ایسا خواہش کو

نہیں چاہیے۔ صحیح نام لکھنا چاہیے۔ عوام کا ذکر نہیں **آزاد** نے نکات الشعرا
کی نسبت لکھا ہے "اب بہت کم یاب ہے" (دیکھو صفحہ ۱۹۲)
میری بدگمانی معاف ہو تو میں کہونگا کہ نکات الشعرا **آزاد کی نظر سے نہیں گزرا** قیاس کی بلند پروازی نے طوطی مینا بنا کر
اُڑائے ہیں اور اُنکی سحر بیانی سے سامعین کو خوش کیا ہے۔

انتخاب اشعار۔ میر صاحب نے جن اشعار کو منتخب کرکے درج
تذکرہ کیا ہے دل نہیں مانتا کہ اُن کا نمونہ یہاں نہ دکھاؤں۔ اگرچہ
شایقین تذکرہ میں پڑھینگے مگر قند مکرّر ہو تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

آرزو۔ رکھے سیپارۂ گُل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سُنے
یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

مظہر۔ آتش کبھو شرارہ کبھو کوئلا کبھو، مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

امید۔ در و دیوار سے اب صحبت ہے، یار بن گھر میں عجب صحبت ہے
تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں، الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

آبرو۔ مجلسِ رنداں میں مت لیجا دلِ بے شوق کو
شیشۂ خالی کی کیا عزت ہے میخواروں کے بیچ

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہو گی ٭ اس دلِ بے قرار کی صورت

دل تو دیکھو آدمِ بیباک کا ٭ عشق سے پُتلا بھرا ہی خاک کا

کیا ہوا مر گیا اگر فرہاد ٭ روح پتھر سے سر پٹکتی ہی ٭ اب دین ہوا زمانہ سازی

آفاق تمام دہریا ہی ٭ حُسن ہی پر خوبرویوں میں وفا کی خو نہیں ٭

پھول ہیں یہ سب پر ان پھولوں میں ہرگز بو نہیں۔

یکرنگ خلق یکرنگ کی ہوئی دشمن ٭ جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا۔

اندھیر ہی جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ ٭ ہی سر بُریدہ شمعِ شبستانِ کربلا

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہی ٭ میرا صبر و قرار جاتا ہی

گر خبر لینی ہی تو لے صیاد ٭ ہاتھ سے پھر شکار جاتا ہی

سعادت ہوش کھو دیتی ہیں میرا اُس کی آنکھیں مُے پرست

بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالوں میں ہوجاتا ہوں مست

واللہ جو سرِ لوح ترا نام نہ ہوتا ٭ ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں ٭ یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

پپیہے کی طرح دارو کے شیشے ٭ زبانِ حال سے کہتے ہیں پی پی

سودا بیکس کوئی مرے تو جلے اُس پہ دل مرا ٭ گویا ہی یہ چراغ غریبوں کی گور کا

زباں ہو شکر میں قاصر شکستہ بالی کے ٭ کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن ٭ بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا۔

سودا ہوے جب عاشق کیا پاس آبرو کا ؛ سنتا ہو اے دیوانے جب دل دیا تو پھر کیا
پھرے ہو شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا ؛ الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا
یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام ؛ کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح
رنگِ گل بے طرح دہکے ہو سن اے ابرِ بہار ؛ آشیاں میرا چھڑک لگتی ہو اب گلشن کو آگ
قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام ؛ ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پاے کہ بس تمام
کس کی ہیں یہ چمن میں صبا بدشرابیاں ؛ ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں
نہ پوج سنگ و گلِ اے شیخ اس صدا کو مان ؛ مرے صنم کی پرستش کر آ خدا کو مان
عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں ؛ دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں
اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو ؛ قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو
اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا مجھے ؛ اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو
کہتا تھا بناگوش تری زلف کے آگے ؛ میں صبحِ قیامت ہوں مری شام یہی ہے
نہ ضرر کفر کو نے دین کا نقصان مجھ سے ؛ باعثِ دشمنی اے گبر و مسلمان مجھ سے
مرجان کا نخل ہوں نہ پھلوں برگ و بار سے ؛ نکلے ہمیشہ خون مری شاخسار سے
خنجر طلب ہے مرگ سے ہر آہ رے خرم ؛ دل پھر گیا ہے کس کی مژہ کا شکار سے

کلیم

آتی ہے دل پہ قلقلِ مینا سے اب شکست ؛ وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا
درازی شبِ ہجران زلفِ یار کلیم ؛ نہ مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں
پاسِ ناموسِ محبت ہے مجھے از بس کلیم ؛ باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رفیقا عندلیب

جو صدا آتی ہی اس وادی سے ہی سینہ خراش ٭ یہ کوئی دل روتا جاتا ہی نہیں بانگِ جرس

تو بار ل کے ہم سے جب ایک ہوگیا ہو ٭ کسکو بعید مانیں کسکو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو ٭ یا تم ہی سب ہو ہم ہیں یا سب کے تئیں ہمیں ہیں

نَی اور تنبور میں یہ سوز تو معلوم اے مُطرب ٭ کسی کا دل ہوا ہی شاید اس پردہ میں نالاں

تری جناب میں کیا ہوں یا الٰہ نہ پوچھ ٭ یہی کہ بخشدے اور مجھ سے گناہ نہ پوچھ

غرورِ حُسن کیا ممکن کسی کی داد کو پہونچے ٭ غرض تم سُن چکے احوال ہم فریاد کیا کیجے

تو اے بارانِ رحمت اوج میں آموج سے اپنی ٭ کہ یک قطرہ میں میرے کشت کا بھی کام ہو جاوے

اکسیر پر ہوس اتنا نہ ناز کرنا ٭ ہی کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا درد

جان سے ہوگئے بدن خالی ٭ جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالہ فریاد آہ اور زاری ٭ آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا ٭ آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

حرص کرواتی ہی روبہ بازیاں سب رنہ یاں ٭ اپنے اپنے بورئے پر جو گدا تھا شیر تھا

کھینچے ہی دور آپ کو میری فروتنی ٭ افتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں ٭ دل ہی نہیں رہا ہی جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں کثرت نمائیاں ٭ گر آئنہ کے سامنے ہم آکے ہو کریں

تردامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی ٭ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ہی اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر ٭ اے درد آکے بیعتِ دستِ سبو کریں

اُس نے کہا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں ⁂ پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

فرصت زندگی بہت کم ہے ⁂ مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہے ⁂ دونوں عالم کا ایک عالم ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا ⁂ تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

رونا ہے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں سے مجھے ⁂ اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں سے مجھے

اے گل تو رخت باندھ اُٹھاؤں میں آشیاں ⁂ گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے

پتھر تلے کا ہاتھ ہے غفلت کے ہاتھ دل ⁂ سنگ گراں ہوئی ہے یہ خواب گراں مجھے

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دئے ⁂ پردے تعینات کے جو تھے اُٹھا دئے

یارب نہ تھی کیا خرام وہ جس نے اک آن میں کتنے ہی مُردے حشر سے آگے جلا دئے

سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام ⁂ اے درد کچھ بہا دئے اور کچھ جلا دئے

سجاد

شتابی پلائیے کہ جاتا ہے ابر ⁂ جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا ہے قہر ⁂ جنگل میں آ بھرا ہے نکل کر تمام شہر

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک ⁂ تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

کس طرح کوہکن پہ گزرینگی ⁂ ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

میں جو اُس کی گلی میں جاتا ہوں ⁂ دل کو کچھ گُم ہوا سا پاتا ہوں

لب شیریں پہ اُس کے مرتا ہوں ⁂ زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

رات اُس زلف کا وہ افسانہ — قصّہ کوتہ بڑی کہانی ہے
عشق کی ناؤ پار کیا ہووے — جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی
ماہرو بن یہ شمع محفل میں — جیسی روشن ہے سب پہ روشن ہے

بیتاب

تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

دل میں زاہد کے جو جنّت کی ہوا کی ہے ہوس ٹک کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا
رو اگر دیجیے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں ! آئنہ سے بھی گیا کیا دلِ حیراں میرا
نہ بنا عیش کی خسرو کو فرصت قصرِ شیریں میں ! جو میں ہوتا تو جاے شیر جوئے خوں رواں کرتا

خال گورے مکھ کا لیتا ہے مرے دلکو چُرا — اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور
اِس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جامِ شراب — دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف
مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھکو — کیا عیش کر گیا ہے ظالم دیوانہ بن میں
دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اسکو کہتے ہیں — پھر اُٹھنا بے دماغوں کا قیامت اسکو کہتے ہیں
زنجیر میں زلفوں کے پھنس جانے کو کیا کہیے — کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

ولی

دشمنِ دیں کا دین دشمن ہے — راہزن کا چراغ رہزن ہے
آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اُس کو — کرتی ہے نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی
کہاں ہے آج یارب جلوۂ مستانۂ ساقی — کہ دل سے تاب جی سے صبر سر سے ہوش لیجاوے
عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں دلبر سے — سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

عزلت بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا ؛ سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

سراج نہیں ہے تاب مجھے سامنے ترے جانا ؛ کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب

شکر کنّد ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا ؛ شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

تاباں قدِ حلقۂ کماں اسی حسرت میں ہو گیا ؛ تیر بہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

لگ رہی ہیں تیرے عاشق کی جو آنکھیں چھت سے ؛ تجکو دیکھا مگر اُن نے ہے لبِ بام کہیں

بال اپنے کھولتا ہے جب تو اے خورشید رُو ؛ چاند سے مُنہ پر ترے اس وقت آجاتا ہے ابر

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوں ؛ باراں ہو اور ہوا ہو سبزا ہو اور ہم ہوں

ایمان و دیں سے تاباں مطلب نہیں ہے ہمکو ؛ ساقی ہو اور مے ہو دُنیا ہو اور ہم ہوں

جوں برگِ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے ؛ کیا ہو کہ برگِ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے

محفل کے بیچ سُن کے مرے سوزِ دل کا حال ؛ بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

ہاتھ بے فائدہ زنداں میں دوڑا مجنوں ؛ طوق ہے تیرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں

ہم گورِ غریباں پہ جا کر جو دیکھا ؛ بجز نقشِ پا لوحِ تربت نہیں ہے

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم ؛ وہ ایک دم ہی ترے روبرو ہوا تھا

ترے پاس عاشق کی عزّت کہاں ہے ؛ تجھے بے مرُوّت محبّت کہاں ہے

تیری ابرو سے نہ چھوٹے گا مرا دل ہرگز ؛ گوشت ناخُن سے بھلا کوئی جُدا ہوتا ہے

قیامت مجھ پہ کل کی رات اُس کے ہجر میں لائی ؛ نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

شوق بُجھے گی آتشِ دل ہم نے جانا تھا گھٹا آئی ؛ ہوا سے ابر کے دونی ولے یہ آگ بھڑکائی

ہر گلی میں گر پڑے ہیں مست ہو دیوار و در ۔ ابر رحمت برستا ہی یا برستی ہی شراب

قایم بھلا ای ابر مژگاں اتنو بس کر ۔ ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر

بہار عمر قایم ہی کوئی دن ۔ اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنسکر

اے محنت آزمائے عاشق ۔ تب خوش ہو کہ مر ہی جائے عاشق

دانا بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہی میرا ۔ یہی توحید میں مصرع سر دیوان ہی میرا

سلام حدیث زلف چشم یار سے پوچھ ۔ درازی رات کی بیمار سے پوچھ

بیتابیو قسم ہی تمھیں میرے صبر کی ۔ مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

بہار ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہی دوزخ کے عذابوں سے

معاصی گو ہمارے بیش ہوں کیا مغفرت کم ہی

تمکین حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا

مجکو دیوانہ کیا تجکو پریزاد کیا

محسن تعزیت دار حسرت دل ہی ۔ یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہی

دل پر آبلہ میرا محسن ۔ رشک آئینہ حبابی ہی

راقم ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں ۔ موج دریا ہی شکنج آستیں

مژگاں لگے دل بیچ تو کر کرے ہی ابرو ۔ یہ کہہ کے میں نے اس سے جب دل کی داد چاہی

کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی ۔ تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

ای باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض ۔ مجکو قسم ہی چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں

اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب　　آپس میں دردِ دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

معصیت میری بہت ہے کہ تری بخشش بیش　　اپنی رحمت پہ نظر کر مرے عصیاں کو نہ دیکھ

کہیے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے　　اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر

جو چاہے گوہرِ مقصود اے دل　　صدف کی طرح تو پاسِ نفس کر

(محمد میر) میر — شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محجوب ہوا

اپنے چہرے سے بگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

(میر محمد تقی) میر — کس طرح سے مانیے یاراں کہ یہ عاشق نہیں

رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

شب درد و غم سے عرصہ مرے جی پہ تنگ تھا　　آیا شبِ فراق تھی یا روزِ جنگ تھا

مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا　　جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

ہونا نہ چارِ چشم دلا اس ظلم پیشہ سے　　ہشیار زینہار خبردار دیکھنا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم　　عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جو آئی قاصد وہ پوچھے میر بھی ادھر کو چلتا تھا

تو کہیو جب چلا ہوں میں تو اس کا دم نکلتا تھا

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث

برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا

یک قطرۂ خوں ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا　　قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفراں پناہ کا

مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی　　ہر نالہ میری جان کو تیغِ کشیدہ تھا
خواجہ مجھ سے لڑ گیا اب خواہ اُس سے لگیا　　کیا کہوں ای ہمنشیں بس تجھ سے حالِ دل گیا
مت ڈھلک مژگاں سے میرے ای سرشکِ آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب
میرے سنگِ مزار پر فرہاد　　رکھ کے تیشہ کہے ہی یا اُستاد
ہم تو اسیرِ کُنجِ قفس ہو کے مر چلے　　ای اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر
پاس رہنے کا نہیں ایک بھی تار آخرکار　　ہاتھ سے جائے گا سررشتۂ کار آخرکار
ساقی تو ایک بار تو توبہ تُڑا مری　　توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار
دل و داغ اور جگر یہ سب اِکبار　　کام آئے فراق میں ای یار
احوال نامہ بر سے مرا سُن کے کہہ اُٹھا
جیتا ہی وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز
اللہ رے عندلیب کی آوازِ دلخراش
جیوہی نکل گیا جو کہا اُن نے ہائے گُل
بھلا تم نقدِ دل لیکر ہمیں دشمن گنو اب تو
کبھی کچھ ہم بھی کر لینگے حسابِ دوستاں دردل
زبانِ نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا ملایا تھا
مری طینت میں یارب سودۂ دلہائے نالاں کو

سمجھے ہی نہ پروانہ نہ تھا نبے ہی زبانِ شمع   وہ سوختنی ہی تو یہ گردن زدنی ہی

میر پھر کہیو سرگذشت اپنی

بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ہی

صد کارواں وفا ہی کوئی پوچھتا نہیں   گویا متاعِ دل کے خریدار مر گئے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گزر گئے   بس اے تپِ فراق کہ گرمی میں مر گئے

ناصح نہ روویں کیونکہ محبت کے جیو کو ہم   اے خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے

لے کلی مارے ڈالتی ہی نسیم   دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

میر تغیرِ حال پر مت جا   اتفاقات ہیں زمانے کے

رُباعی

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا   میخانہ میں جوش بادہ نوشاں دیکھا

ایک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے   دیکھا سو محلۂ خموشاں دیکھا

تمت

فہرست

Defects of Nukat.
1. no dates given
2. praises friends, relations & condemns those who have given him no offence or did not behave in a particular way to him.

See Nukat...

نکات الشعرا

بعد حمدِ سخن آفرین که اوست سزاوارِ تحسین و درودِ نا محدود بر آن شفیع المذنبین و علے آله اجمعین که مقصود بود از آسمان و زمین، پوشیده نماند که در فنِ ریخته که شعریست بطورِ شعرِ فارسی بزبانِ اُردوے معلّے شاهجهان آباد دهلی، کتابے تا حال تصنیف نشده که احوالِ شاعرانِ این فن بصفحهٔ روزگار بماند۔ بناء علیه این تذکره که مسمی به نکات الشعرا نگاشته میشود۔

اگرچه ریخته در دکن است، چوں ازانجا یک شاعرِ مربوط بر نخواسته لهذا شروع بنام آنها نکرده و طبعِ ناقص مصروف اینهم نیست که احوالِ اکثر آنها ملال اندوز گردد، مگر بعضے ازانها نوشته خواهد شد۔ انشاالله تعالےٰ امید که بدستِ هر صاحب سخنے بیاید بنظرِ شفقت بکشاید۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

جامعِ کمالات و صاحبِ حالات، فضائلِ او اظہر من الشمس است۔ احوالِ امیر مذکور در تذکرہ‌ہا مسطور۔ ایں نوشتنِ احقر العباد فضولیست۔ اشعارِ ریختہ آں بزرگ بسیار دارد، دریں خود تردّدے نیست۔ ازانجملہ یک قطعہ تیمناً نوشتہ آید۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا ۔۔۔ کچھ گھڑے سنوارے پکارا
نقدِ دلِ من گرفت و بشکست ۔۔۔ پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

مرزا عبدالقادر بیدل

شاعرِ پر زور فارسی، صاحب دیوان پنجاہ ہزار بیت و مثنویات وغیرہ۔ اوائلِ جوانی نوکرِ شاہزادہ محمد اعظم شاہ بود۔ بعد از چندے ترکِ روزگار گرفتہ فروکش کرد۔ از مذاقِ شعرِ او دریافتہ بشود کہ بہرۂ کلّی از عرفان داشت۔ احوالش مفصلاً در تذکرہ‌ہا مرقوم است۔ ریختہ بنامِ او شنیدہ بشود، شاید بتقریبے گفتہ باشد۔ ازوست۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں　　اُس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آنکر پکارا　　پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

سراج الدین علی خان آرزو

آب و رنگِ باغِ نکتہ دانی، چمن آرائے گلزارِ معانی، مشرفِ ملکِ زورِ طلبِ بلاغت، پہلوانِ شاعرِ عرصۂ فصاحت، چراغِ دودمانِ صفائی گفتگو کہ چراغش روشن باد، سراج الدین علی خاں آرزو سلمہ اللہ تعالےٰ۔ ابداً شاعرِ زبر دست قادرِ سخن عالم فاضل تا حال ہیچ ایشاں بہندوستان جنت نشان بہم نرسیدہ بلکہ بحث در ایرانِ میرود۔ شہرۂ آفاق، در سخن فہمی طاق، صاحبِ تصنیفات دہ پانزدہ کتب و رسالہ و دیوان و مثنویات۔ حاصلِ کمالاتِ اوشان از حیزۂ بیان بیرونست۔ ہمہ اوستادانِ مضبوط فن ریختہ ہم شاگردان آں بزرگوارند۔ گاہے برائے تفنّنِ طبع دو سہ شعر ریختہ فرمودہ ایں فنِ بے اعتبار را کہ ناختیار کردہ ایم اعتبار دادہ اند تبرکاً نوشتہ آمد۔

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں ٭ زندگانی کا کیا بھروسا ہے

* * *

میخانہ آج جا کر شیشے تمام توڑے ٭ زاہد نہیں آج اپنے دل کے پھپھولے توڑے

* * *

رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

* * *

وعدے تھے سب خلاف جو تجھ سے ہم سنے ٭ یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

* * *

ہر صبح آ تو تاہو تیری برابری کو ٭ کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

* * *

مرزا معز فطرت موسوی خان

موسوی خاں خطاب است۔ معز و فطرت و موسوی ہر سہ تخلص میکند۔ احوالِ او مِن و عن در تذکرہ سراج الدین خاں صاحب کہ اوستاد و پیر و مرشد بندہ است مسطور۔ ہیچ مسموع است کہ ایں شعر ریختہ شاعر مرقوم گشتہ

واللہ اعلم۔

اززلفِ سیاہِ تو بدل دھوم پڑی ہے ٭ درخانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

مرزا جان جاں مظہر

مظہر تخلص مردیست مقدس مطہر درویش عالم صاحبِ کمال شہرۂ عالم بے نظیر معزز مکرّم۔ اصلش از اکبر است۔ پدرِ او مرزا جان جاں نام داشت۔ از فرطِ شفقت مرزا جان جاں میگفت۔ ازیں سبب ہمیں اسم موسوم است۔ بندہ بخدمتِ او رفتہ سعادت اندوز گشتہ است۔ اکثر اوقات در یادِ الٰہی صرف میکند۔ خوش تقریر بمرتبہ است کہ در تحریر نمیگنجد۔ دیوان مختصر شعر فارسی او بنظرِ فقیر مؤلف آمدہ است۔ از تسلیم و تکلیم پائے کمی ندارد۔ اگرچہ شعر گفتن دون مرتبہ است۔ لیکن گاہے متوجہ ایں فنِ بیحاصل نیز میشود۔

انعام اللہ یقین و حزین کہ شاعرِ ریختہ اند شاگردانِ اویند۔ غرض مرزا عجب کسے است۔

خدا کے واسطے اسکوں نہ ٹوکو ٭ یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے

جوان مارا گیا خوبوں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

مرتا ہوں میرزا بنے گل دیکھ ہر سحر — سورج کے ہاتھ چوری پنکھا صبا کے ہاتھ

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منھ لگایا ہے سجن نیں بیڑۂ پان کوں

توبہ کی ہے ہم نے اور دھوم میں مچائی ہے بہار
ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

آتش بھڑک رہی ہو تو کو بلا کہو — مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

گر گل کو گل کہوں تجھے رخ کو کیا کہوں — بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

شاہ ولی اللہ اشتیاق

مردے بود ذی علم از اولاد شیخ الف ثابت - نبیرہ

شاہ محمد گل، مولدِ او سرہند است۔ در کوٹلہ فیروز شاہ سکونت داشت۔ درویش متوکل گاہے فکرِ ریختہ میکرد۔ از دست:

لڑکوں کے پتھر ونکی لگے کیونکہ اس کو چوٹ ہر ایک گردِ باد ہے مجنوں کی وشوں کوٹ

چھوڑ کر تجکو ہمیں اور سے جو لاگ لگے نہیں مہندی ہے یہ تیرے تلووں سے جی آگ لگے

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں کچھ وہی نہیں کہ یہ خدا کی باتیں ہیں

قزلباش خاں اُمید

مردے معلےٰ بود، شاعرِ غزلے فارسی، نکتہ پرداز بذلہ سنج کوچک دل عزیز دلہا یار باش خوش اختلاط ہمیشہ خنداں و شگفتہ رو بسر برد۔ داخلِ ذیلِ امرار بود و در ہر سیر و تماشا میرفت و صحبتہا میداشت۔ چنانچہ یکروز در عرسِ سید حسن رسول نما صاحب قدس سرہٗ العزیز بندہ نیز بہ تحریکِ یارانِ موافق رفتہ بود۔ و او ہم تشریف میداشت۔ چوں مرا از دور دید۔ گفت۔ کہ خوش باشد کہ من ہم دریں ایام

دو شعر ریختہ موزوں کردہ ام ۔ بشنوید ۔ ازوست ۔

درودیوار سے اب صحبت ہے + یار بن گھر میں عجب صحبت ہے

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں + الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

مرزا گرامیؔ

پسرِ سپاہیِ کشمیری است کہ قبول تخلص میکرد ۔ نقلِ احوالِ او در تذکرۂ خانصاحب مرقوم است ۔ چوں دید کہ ہنگامۂ ریختہ گرم شدہ خودش نیز شعرِ ریختہ گفت بطورے کہ دُہست و آن نیست ۔

حاضری بن محل نہیں کھاتا + بیگمی ہے پسر منعم کا

رائے انندرام

مخلص تخلص مشہور ، از شاہجہان آبادست ، وکیلِ نوابِ وزیر اعتماد الدولہ مغفور و مرحوم ۔ شاعرے مقررے فارسی ،

در عنفوانِ جوانی مشقِ سخن بخدمت مرزا بیدل میکرد۔ دریں ایام اشعارِ خود را از نظرِ خانصاحب سراج الدین علی خاں میگذرانید۔ از مدّت آزارِ نفث الدم داشت، قریب یکسال است که در گذشت۔ احوالش در تذکرهٔ خانصاحب مذکور مفصل مسطور است۔

دھوم آوَنے کی کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ار گجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

میاں نجم الدین عرف شاہ مبارک

متخلص آبرو متوطن گوالیار، نبیسہ حضرت محمد غوث گوالیاری است نور اللہ قبرہٗ۔ از ابتدائے جوانی در شاہجہان آباد آمدہ، چنانچہ مشقِ سخن ہم اینجا کردہ۔ شاگرد خانصاحب سراج الدین علی خاں است۔ از چشم پوشیِ روزگارِ دجّال شعار، یک چشمش از کار رفتہ بود۔ شاعرِ نادرہ گوئے ریختہ، میگویند، کہ طبعے شوخے داشت۔ غرض مستغنیِ وقتِ خود بود۔ کہ عہد محمد شاہ باشد، خداش مغفرت بکند۔ از وست۔

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسمسا ہوا ٭ جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا

جدائی کے زمانہ کی میاں کیا زیادتی کہیے ❊ کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا

بوسہ لبوں کا دینے کہا کہہ کے پھر گیا ❊ پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا
قول آبرو کا تھا کہ نہ جاوے گا اس گلی ❊ ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا

مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہی ❊ یہ روٹھ روٹھ چلنا چل چل کے پھر ٹھٹکنا

فرہاد کا دل کوہ کو سی کا بھرا پیالہ ہوا ❊ مستی سے جیں کے شوق کی ہر سنگ متوالا ہوا

دل کے اوپر بہار میں احوال سخت دیکھ ❊ دے مارتی ہی باغ میں سر کو کلی اٹھا

یہ سبزہ یہ آب رواں اور ابر یہ گھرا ❊ دیوانہ نہیں گھر میں رہوں چھوڑ کے صحرا

گر یہی مسکرانا تو کس طرح جییں گے ❊ تم کو تو یہ ہنسی ہی پر ہی مرن ہمارا

یار وڈر و کمر سے مروڑ و نہ بھر کے انگ ❊ آجا کہیں لچک تو ابھی لاگ جائے لنگ

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں ✤ اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

سر سے لگا کے پانوں تلک داغ ہوا ہوں[۱] ✤ . . . .

دل کب آوارگی کو بھولا ہے ✤ چاک اگر ہو گیا بگولا ہے

آغوش میں بتاں کے کرتی ہیں قتل آنکھیں ✤ کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں خون ہوا ہے

کرتے تو ہو تغافل پر حال آبرو کا ✤ دیکھو تو تم بھی پیارے بے اختیار رو دو

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے نقطے ✤ اس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

اگر بجائے اس قدر، کس قدر میگفت، شعر آسمان میر سید۔

مجھ ناتواں کی حالت واں جا کہے ہوا اڑ کر
میرا یہ رنگ رہا ہے گویا لکھی کبوتر

عالم آب میں آسان نہیں اے شیخ گذر ✤ خوف سے غرق کے یہاں بحر ہی کشتی میں سوار

[۱] دوسرا مصرع اصل کتاب میں نہیں ہے ۱۲

خوب تیری شکل آ سکتی نہیں تصویر میں ÷ مدتیں گذریں مصور کھینچتا ہی انتظار

کریں جو بندگی ہو ویں گنہ گار ÷ بتوں کی کچھ نرالی ہی خدائی

ابرو کے قتل پر حاضر ہوا کس کر کمر ÷ خون کر نیکوں چلے عاشق تہمت باندھکر

زندگی ہی سراب کی سی طرح ÷ باد بندی حباب کی سی طرح
تجھ اوپر خون بے گناہوں کا ÷ چڑھ رہا ہی شراب کی سی طرح
کون چاہے گا گھر بسے تجکو ÷ مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

کیوں چھپا ظلمت میں گر تجھ لب سے شرمندہ نہ تھا
جان کچھ باقی مری ہی چشمۂ حیواں کے بیچ
مجلسِ رنداں میں مت لیجا دلِ بے شوق کو
شیشۂ خالی کی کیا عزت ہی میخواروں کے بیچ

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوئے گی ÷ اس دلِ بے قرار کی صورت

نہ تھا کچھ اور میرے شوق کا حسنِ صفا باعث ✣ یہی پیاری طرح موجب یہی کا فرادا باعث

✣

تم اور گلرخاں سے اب آنکھ جو لگائے ✣ بادام کو پیارے پھولوں کے بیچ باسا

✣

دل تو دیکھو آدم بیباک کا ✣ عشق سے پتلا بھرا ہی خاک کا

✣

سجن اوروں کا تشنہ ہو کے سنتا اور سب کہتا
مگر ایک آبرو کی بات جب کہتے تو پی جاتا

✣

انساں ہی تو کبر سے کہتا ہی کیوں انا
آدم کو تو سُنا ہی کہ ہی خاک سے بنا

✣

رہتے ہیں جیو میں مصرع دلچسپ کس طرح
گھر بار ہو ہے سرو قدوں کا برائے بیت

✣

ملامت اس قدر کرتے ہوئے حاصل ہی یہ
لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہی اس کا دل ہی یہ

زلف کی شان کھاو یہ دیکھو ؛ کہ گویا عرش ہیں لٹکتی ہے
کیا ہوا مر گیا اگر فرہاد ؛ روح پتھر سے سر پٹکتی ہے

تمھاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے ؛ کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

یوں آبرو بناوے دل میں ہزار باتیں
جب رو برو ہو تیرے گفتار بھول جاے

اب دیں ہوا زمانہ سازی ؛ آفاق تمام دہریا ہے

جینا مثلِ حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے

زندگانی تو ہر طرح کاٹی ؛ مر کے پھر جینا قیامت ہے

اُٹھ جیت کیوں جنوں سی خاطر نچنت کی
آئی بہار تجکوں خبر ہے بسنت کی

جہاں تجھ خو کی گرمی تھی دیکھی کچھ آگ کو عزت
مقابل اس کے ہوجاتی تو آتش لکڑیاں کھاتی

لٹک چلنا سجن کا بھولتا نہیں اینک مجکو
طرح وہ پاؤں رکھنے کی میری آنکھوں پھرتی ہو

اس کی کنجی زبانِ شیریں ہو ٭ دل مرا قفل ہو بتاسے کا

حسن ہی پر خوبرویوں میں وفا کی خو نہیں
پھول ہیں جیسے پہ ان پھولوں میں ہرگز بو نہیں

قیامت کیا تم ٹک ایک ہنس کے بولے
مجھے بات کی بات میں مار ڈالا

میاں شرف الدین

مضمون تخلص مردے بود، نوکر پیشہ متوطن جاجھوکہ قصبہ ستہ،

متصل اکبرآباد، حریف ظریف بشاش بشّاش، ہنگامہ گرم کن مجلسہا، ہرچند کم گو بود، لیکن بسیار خوش فکر، و تلاشِ لفظ تازہ زیادہ۔ دیوانش بہمہ جہت دوصد بیت خواہد بود۔ از شروع جوانی بہ شاہجہان آباد آمدہ، و در زینت المساجد سکونت داشت آخرالامر بہمیں جا فوت کرد۔ از احفاد حضرت شیخ فرید شکرگنج بود نوراللہ مرقدہٗ۔ چنانچہ خود میگوید۔

کریں کیوں نہ شکر لبوں کو مرید
کہ دادا ہمارا ہی بابا فرید

شاگرد خانصاحب سراج الدین علی خاں صاحب است۔ چوں دندانِ او بسببِ نزلہ ہمہ اُفتادہ بودند۔ از وست۔

جو دو پیالہ سحر کو بھر کے اور دو شام کو لیگا
وہ تخت اپنے میں جوں خورشید چاروں جام کو لیگا

ہم نے کیا کیا نہ تیرے عشق میں محبوب کیا
صبرِ ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

ایک تو تھا ہی وہ مہرو خود پسند ٭ ہوگیا دیکھ آرسی کے تئیں دوچند

ہنسی تیری پیارے پھلجھڑی ہے + یہی غنچہ کے دل میں گلجھڑی ہے

میکدہ میں گر سراسر فعل نامعقول ہے + مدرسہ دیکھا تو وہاں بھی فاعل مفعول ہے

چھوٹے سینوں سے یوں ہوا معلوم + تیری آنکھوں کے دو ملکے ہیں

میرا پیغام وصل ای قاصد + کہو سب سے اُسے جدا کرکے

اتفاقاً من اشعارِ ایشانرا انتخاب مینبردم ، میاں محمد حسین کلیم که احوالِ اوشاں نیز خواهد آمد انشاالله تعالےٰ ، اوشان نیز نشسته بودند۔ من ایں شعر را پیشِ مشارالیه خواندم و شعر ایں قسم بود۔

میرے پیغام کو تو ای قاصد + کہو سب سے اوسے جُدا کر کر

چوں ایں حرف موافق سلیقۂ شعرا بود لهذا همچناں نوشته آمد

کرے ہی دار بھی کامل کو سرتاج + ہوا منصور سے نکته یہ حل آج

کیا سمجھ بلبل نے باندھا ہے چمن میں آشیاں
ایک تو گل بیوفا اور تسپہ جور باغباں

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ * کردں کیا جو نہیں لگتا سرے ہاتھ

نہیں ہیں ہونٹھ تیرے پان سے سرخ * ہوا ہے خون میرا آکے لبریز

چلا کشتی میں آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہے
کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی جی ڈوب جاتا ہے
مرا یہ اشک قاصد کی طرح یکدم نہیں تھمتا
کسی بیتاب کا گویا لئے مکتوب جاتا ہے

مضمون توں شکر کہ ترا اسم سن رقیب
غصہ سے بھوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

شاعر مسطور بجائے اسم نام موزوں کردہ بود ، اسم اصلاح خانصاحب است۔ وہ چہ اصلاح۔ زیرا کہ اہلِ دعوت اسم میخوانند نہ نام۔ فافہم۔

مصطفےٰ خاں یکرنگ

یکرنگ شاعرِ ریختہ معاصرِ میاں آبرو۔ میگویند کہ بسیار

چسپاں اختلاط و آشنائے درست بود۔ از احوالِ اُو
خوب اطلاع ندارم۔ از وست۔

لبِ شیریں سے تلخ کاموں کو + بولنا تلخ کلام ہی تیرا
ہاتھ اُٹھا جور اور جفا سے تو + یہی گویا سلام ہی تیرا

ترک عاشق میں ننگ و نام کیا + کام اپنا جو تھا تمام کیا

اس قدر کیا ہی حمایت غیر کی + ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

جب سینئے گلرخوں سے پار ہوا + خلق کی ہیں نظر میں خوار ہوا
خلق یکرنگ کی ہوئی دشمن + جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا

در مرثیہ امام حسین صلوٰۃ اللہ علیہ گفتہ۔

زخمی برنگِ گل ہیں شہیدان کربلا + گلزار کی نمط ہی بیابانِ کربلا
کھاتے چلا ہی زخم ستم ظالموں کے ہاتھ + دھو ہاتھ زندگی سیتی مہمانِ کربلا
اندھیر ہی جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ + ہی سر بریدہ شمعِ شبستانِ کربلا

سُنتا نہیں ہی بات کسی کی تو ای سجن + تجکو ترا غرور نجانوں کرے گا کیا

خون دل کا مجھے شراب ہوا ٭ جگرِ سوختہ کباب ہوا

اتنا ہی مست اپنے حسن کی مے سے سجن میرا
کہ کھاتا ہی بیاں کرنے سیتی لغزش سخن میرا

نہ کر گو ہر سیتی ہرگز برابر ٭ اگر معلوم ہی رتبہ سخن کا

مجھے مت پوچھ پیارے اپنا دشمن ٭ کوئی دشمن بھی ہو ہے اپنی جان کا

اگر آوے مرے گھر وہ پیارا ٭ کروں اس ماہ کو پتلی کا تارا
مرا دشمن ہوا یکرنگ وہ شوخ ٭ کیا کیوں عشق میں نے آشکارا

کم نہیں کچھ بوئے گل سیتی فغانِ عندلیب ٭ برگِ گل سے ہیگی نازک تر زبانِ عندلیب

زبانِ شکوہ ہی ہندی کا ہر بات ٭ کہ خوباں میں لگائے ہیں مجھے ہات
ستمگر حسن کے شاہ و گدا ہیں ٭ رکھے ہیں خوبرو ظاہر کرامات

یاد آتی ہے تازگی بہار ٭ دیکھ ہر خشک خار کی صورت
سچ کہے جو کوئی سو مارا جائے ٭ راستی ہے گی دار کی صورت
اعتقاد فقیر بجائے سچ حرف حق اولی است۔

پھر گیا ہائے ہم سے وہ مہرو ٭ سرد مہری سبھی ہوا کی طرح

ہوا نہ راحت جاں مہرباں حیف ٭ مری محنت گئی سب رائگاں حیف

بنا بر مصلحت ہے یہ جو تم سے ٭ رہا ہے روٹھ دن دو چار یکرنگ

محبت کا عجب نیرنگ ہے رنگ ٭ کبھی عاشق کبھی معشوق ہیں ہم

برنگ شمع دایم تجھ لگن میں ٭ سجن روتے پھرے ہم انجمن میں

تا گلے تیرے لگوں ہر بار میں ٭ روٹھتا ہوں اس سبب ہر بار میں

کیوں کھینچتے ہو تیغ سجن مجھ میں دم نہیں ٭ پنہاں نگہ تمھاری یہ کھینچی سے کم نہیں
کہتے ہیں ہم پکار سنو کان دھر سجن ٭ گر غیر سے ملوگے تو دیکھو گے ہم نہیں

تجھ زلف کا یہ دل ہی گرفتار بال بال + یکرنگ کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

دل مرا لیکے جو دبدھا میں پڑے ہو اس بھانت
کیا سجن اس کا کوئی جگ میں خریدار نہیں

پارسائی اور جوانی کیونکے ہو + ایک جاگہ آگ پانی کیونکے ہو

اُس پری پیکر کو مت انسان بوجھ + شک میں کیوں پڑتا ہی ای بلجان بوجھ

برگِ حنا اوپر لکھو احوالِ دل میرا + شاید کبھی تو جا لگے اُس دلربا کے ہاتھ

جو کوئی توڑتا ہی غنچۂ گل + دل کو میرے شکستہ کرتا ہی

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہی + میرا صبر و قرار جاتا ہی
گر خبر لینی ہی تو لے صیّاد + ہاتھ سے پھر شکار جاتا ہی

لگے ہی جا کے کانوں میں بتوں کے + سخن یکرنگ کا گویا گُہر ہی

کیا جانیے کہ وصل میسر کسی کے ہو نصیب ÷ ہم تو ترے فراق میں ای یار مر گئے

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہی ÷ نہ مجھ کو وہ دماغ اور دل رہا ہی

اب تو تمھیں نباہے ہی ہم سے سجن پڑے ÷ ہم سب طرف سے ہار تمھارے گلے پڑے

یکرنگ پاس کیا ہی سجن اور کچھ بساط ÷ رکھتا ہی دو نین جو کہو تو نظر کرے

جس کے دردِ دل میں کچھ تاثیر ہی ÷ گر جوان بھی ہو تو میرا پیر ہی

چشم پیارے کی دیکھ مژگاں میں ÷ گویا سبزے کے بیچ آہو ہی

اُس کو مت بوجھو سجن اوروں کی طرح ÷ مصطفیٰ خاں آشنا یکرنگ ہی

اگر شعر من بود پیش مصرع انیقسم موزوں میدادم (مصرع)

مت تلوں اُس میں سمجھیں آپسا

محمد شاکر ناجی

جوانے بود آبلہ رو، سپاہی پیشہ، مزاجش پیشتر مائل بہزل بود

صاحبِ میاں آبرو۔ بندہ باوبکدو ملاقات کردہ بودم۔ شعر ہزل خود میداند و مردان را بخندہ مے آورد۔ و خود نمیخندید، مگر گاہے تبسّمے میکرد۔ وطنش شاہجہان آباد۔ جوان از جہان رفت۔ اشعارِ جستہ جستۂ او انتخاب کردہ نوشتہ میشود۔

رو اکب ہی مجھ او پر تیغ کو ہر دم علم کرنا ❖ میری تقصیر بھی کچھ کی ہی ثابت باشتم کرنا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہی کہ ای غافل ❖ کٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا

نمکین حسن دیکھ کر پی کا ❖ رنگ گل کا لگا مجھے پھیکا

❖

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشمِ کرم ❖ اب صدف کے تئیں ہر چند ہی گوہر آب

بر متامل پوشیدہ نیست کہ پیش مصرع اینچنیں میبایست۔ مصرع

مست رکھے چشم کرم دولت سے اپنے خورد کی

گر سلیماں کا تخت ویں مت لے ❖ کہ سب آخر کو جائے گا برباد

تری نگاہ کی کثرت سے ای کماں ابرو ✤ ہمارے سینہ میں تودا ہوا ہی تیر دل کا

✤

پیالہ پیوے ہی نشو نہو ڑوں سے ✤ کھولے ہی لب ہزار زوروں سے

✤

کرلے کرم ای مہرباں پھر ہم کہاں اور تم کہاں
نہیں دیکھ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

✤

تکلیف کھینچے حد سے زیادہ رکھے جو فیض
گو نام کو ہما رہے کھاوے کیا اپنے ہاڑ

✤

ملنے کو نو خطاں کے واعظ برا کہے ہی
مجہول ہیں یہ باتیں ہم خوب جانتے ہیں

✤

عید ہوئی جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر
اب بتا دیں طی کا روزہ دیکھ کر مہمان کو

✤

آج تو ناجی سجن سے کر تو اپنا عرضِ حال ✤ مرنے جینے کا نہ کر وسواس ہونی ہو سو ہو

غم نہیں گر دلبری سے دل کو لیجاتا ہی وہ
پاس میرے تب تو آتا ہی جو دل پاتا ہی وہ

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے ÷ قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہی

ہوا جب آئنہ میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منھ دیکھنا کیا ہی

موجی ہی اپنے جی کا مچھی نہ وسمے کہے سے
اور اب مخالفوں میں وہ بات ہی ڈبوئی

نہ جانا یہ کہ اُس پر کئی موے ہیں ÷ عبث کرنے گیا میں گور پر گور

نرگس کے تئیں میں ہرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھیں ہیں میں نے آخر پیارے تمھاری آنکھیں

دیکھ دلبر تری کمر کی طرف ÷ پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

حشر میں پاک باز ہیں ناجی ٭ بدعمل جائینگے سقر کی طرف

مجکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا ٭ اینچا جب دل کے تئیں منہہ دیکھتا ہی رہ گیا
ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب پانی پلٹ ٭ حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں بہہ گیا

ہمنشیں کے در بدر مقدور جیتا تئیں نہ جا ٭ سخت حاجت ہو تو جا لاچارگی ہو جان پر

چاہئے اشراف کو مفلس ہو مجلس میں نہ جا ٭ گو کہ وہ دبلا نہ ہو پر بوجھتے ہیں سب حقیر

جہاں دل بند ہونا جی کا وہاں آوے خلل کرنے
رقیب لاولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ہی

اشرف الدین علیخاں پیام

شاعر قرارداد شاعرانِ فارسی عہد خود بود۔ و صاحبِ دیوان ریختہ نیز۔ از خاکِ پاک اکبرآباد است۔ بندہ اکثر ملاقات کردم۔ چنانچہ بامیان نجم الدین علی سلام کہ خلف الصدقِ اوست، فقیر را

اخلاص لیست۔ ہمیشہ اتفاقِ باہم نشستن، و فکر شعر کردن، و گپ زدن مے افتد۔ احوالِ او ہم نوشتہ خواہد شد۔ انشاءاللہ تعالیٰ

از دست۔

بات منصور کی فضولی ہی ٭ ورنہ عاشق کو آہ سولی ہی

دلّی کے کجکلاہ لڑکوں نیں ٭ کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا ٭ ٹوپی والوں نیں قتل عام کیا

میاں احسن اللہ

مردے بود معاصر میاں آبرو، طبعش بسیار مائل بہ ایہام بود، ازینجہت شعر ادنےٰ رتبہ ماند۔ دیگر احوالش معلوم من نیست۔

از دست۔

یہی مضمون خط ہی احسن اللہ ٭ کہ حسنِ خوبرویاں عارضی ہی

میاں سعادت علی

از سادات امروہہ بود۔ مردے سلیم الطبع کم سخن متواضع سعادت

تخلص میکرد۔ فی الجملہ چاشنیِ دردیشی داشت ۔ شعرِ اُو خالی از لطف نیست۔ با بندہ ربط بسیار داشت ازوست ۔

کس سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہی سو وہ تیل میں ڈالے ہی ہات

ہوش کھو دیتی ہیں میرا اُس کی آنکھیں مے پرست
بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالوں میں ہو جاتا ہوں مست

کیا صیدآ ہوئے دل آسواری سے میاں تم نے
کمر کی ڈاب نہیں کھولی گویا چیتے کی ڈوری تھی

واللہ جو سرِ لوح تیرا نام نہ ہوتا ٭ ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں ٭ یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

اہلِ زر کے سیم تن ہوتے ہیں رام ٭ صید ہو ہیں جس جگہہ دیکھیں ہیں دام

پپیہے کی طرح دار و کے شیشے ٭ زبانِ حال سے کہتے ہیں پی پی

بینوا تخلص

احوالِ او بہ تحقیق نمے پیوندد۔ در وقتِ محمد شاہ بادشاہ سنکرن نام جوہری جوتے فروشے را کشت۔ بابت او بلوا شد۔ چنانچہ جوتے فروشاں در جامعِ مسجد مانعِ خطبہ گشتند۔ ظفر خانِ روشن الدولہ، کہ بطرہ باز شہرت دارد، جوہری مذکور را پناہ داد۔ آخر ہنگامہ برپا شد، و جنگِ عظیم درمیانِ امرایان عظام افتاد۔ بسیار از طرفین بقتل رسیدند۔ ظفر خاں تاب نیاورد و گریخت۔ ازیں سانحہ ایں قسم خفت کشید کہ ازآں باز از خانہ بدر نیامد۔ آں قصہ را شاعرِ مسطور در مخمس بسبب کہ ہنوز برالسنہ مذکور است۔ ازوست۔

پہ کیا ستم ہوا کہ فلکِ ہرزہ نا بکار ٭ کھینچ پر جو تیز کی خنجر کی اپنے دھار
جوتے فروش مرد مسلمان و دیندار ٭ مردود جوہری نے لیا ہے ستم سے مار
سنگِ جفا سے چور کیا لعلِ آبدار

کتنوں کو مار ہی سے قضا نے گرا دیا ٭ کتنوں کو جی بچا کے بہت ٹھہرا دیا

کاغذ پہ بنوانے پہ سُن کر چڑھا دیا ⁂ لگتے ہی مارچ نیوں طُسمرہ گرا دیا
"تا حشر ہر زباں پہ رہے گا یہ یادگار"

عطا

نام او باشے گذشتہ است در عہد عالمگیر بادشاہ - ازوست -

ای ور نبرد حسنِ تو کشتہ بچیارچشم ⁂ زیر مژہ نہفتہ چو آہوی بچیارچشم

میر جعفر

بجعفر زٹلی مشہور است، نادرہ زمان، و اعجوبۂ دورانِ خود بود - زبان گزیدہ داشت - وضیع و شریف ہمہ از و ملاحظہ میکردند و چیزے میدادند - چوں بخانہ کسے مے آمد، دو کاغذ ہمراہ گرفتہ مے آمد - بر یک پارچہ ہجرِ صاحب خانہ و بر دیگر مدح اورا - اگر مدارا ازو میدید، مدح میخواند، وگرنہ ہر چۂ کاغذِ ہجو را بالِ شہرت مے داد - ہجو محمد اعظم شاہ پسر عالمگیر بادشاہ، کہ در رقعات عالمگیری بہ عالیجاہ امتیاز وارد کردہ -

چہارم پیسر ڈومنی کا جنا + برج ہیں رہے جوں......
القصّہ شعرِ ہزل بسیار دارد۔ چوں پیشِ اعظم شاہ بارباب
شد، ایں شعر در مدح او بداہتہً گفت۔
نگینِ سلیماں کہ تابندہ بود + ہمیں نقشِ اعظم برآں کندہ بود
صلۂ لایق بجایزہ ایں مطلع یافت۔ نقل است کہ روزے
بخانہ مرزا بیدل آمد و بر روے مرزا ایں مصرع خواند۔ ع

چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش تو ہیش

مرزا ازیں معنی بسیار تر آمد و زود رخصت کرد۔

مرزا رفیع

التخلص بسودا، کہ جوانیست خوش خلق و خوش خوے گرمجوش
یارباش شگفتہ روئے۔ مولدِ او شاہجہاں آباد است۔ نوکرپیشہ
غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و رباعی ہمہ را خوب
میگوید۔ سرآمد شعرائے ہندی اوست۔ بسیار خوشگو است۔
ہر شعرش طرفِ لطف رستہ رستہ، در چمن بندی الفاظش
گلِ معنی دستہ دستہ۔ ہر مصرعِ برجستہ اش را سروِ آزاد بندہ،

پیش فکرِ عالیش طبع عالی شرمندہ۔ شاعرِ ریختہ، چنانچہ ملک الشعرائے ریختہ اورا شاید۔ قصیدہ در ہجو است گفتہ بہ تضحیکِ روزگار، دور از حدِ مقدور در او صنعتہا بکار بردہ۔ مطلعش اینست:۔

ہی چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہی دستِ عناں کا بیک قرار

اکثر اتفاق طرح غزل باہم مے افتد۔ غرض از مغتنماتِ روزگار است۔ حق تعالیٰ سلامتش دارد۔ ازوست۔

بیکس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا ✣ گویا ہی یہ چراغ غریبوں کی گور کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا ✣ پانی بھی پھر پیوں تو مزا ہو شراب کا

موجِ نسیم گرد سے آلودہ ہی پیٹھ ✣ دل خاک ہو گیا ہی کسی بیقرار کا

کس طرح تیری راہ میں گھیرو نگ کوئی ✣ سدّرہ ہو نہ سکے عمر چلی جانی کا

زباں ہی شکر میں قاصر شکستہ بالی کے ✣ کہ جن نے دل سے مٹایا خلش بلائی کا

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن ✤ بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس مونھ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز ✤ ای روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نہ کھینچ ای شانے ان زلفوں کو یہاں سودا کا دل اٹکا
اسیرِ ناتواں ہی یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا
پرے رہ برق خارِ آشیاں میرے سے کہتا ہوں
اُڑیگا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یہاں اٹکا

سودا ہوئے جب عاشق کیا پاس آبرو کا
سُنتا ہی ای دیوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موجِ آتش ہی سیل آنکھوں کا ✤ دل کا شاید کہ آبلہ پھوٹا
نہ جیا تیری چشم کا مارا ✤ نہ تیری زلف کا بندھا چھوٹا

پھرے ہی شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے مُنھ موڑا
الٰہی اِن نے اب ڈاڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

جو گزری ہم پہ مت اُس سے کہو ہوا سو ہوا ٭ بلاکشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر ٭ مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

ترا جیو مجھ سے نہیں ملتا مرا دل رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہ نہیں سکتا
ترے آگو سحر آنکھوں سے آنسو کیونکہ چلتے ہیں
جو تو دریا پہ گزرے ہے تو پانی بہ نہیں سکتا

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا اندنوں
تو بھی ٹک اُس کو جا کے ستمگار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے شعر نے سخن
نے سیر باغ و نے گل و گلزار دیکھنا
یا جا کے اُس گلی میں جہاں تھا ترا گذر
لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا
تسکینِ دل نہ اُس میں بھی پائے تو پھر شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھکو غیر پاس

پر جو حسد اد کھاوے سو نا چار دیکھنا

کسی دیندار کافر کو خیال اتنا نہیں آتا
سحر کیا ہو چکی سودا کے جیو پر شام کیا ہوگا

سودا سے یہ کہا میں دل اس طرح گھٹتا ۔ کہنے لگا کہ نا داں کیا پوچھتا ہی ہونا

سودا سے میں یہ پوچھا دل میں بھی دو کسی کی
وہ کر کے بیان اپنی روداد بہت رویا

کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہووے ہو گئے گلشن خراب

ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست ۔ میں پوجتا ہوں اس کو جو ہو آشنا پرست

کل رخصت بہار تھی شبنم صفت ہیں زر ور ۔ رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھ بھی ای خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح

منعم نہ گھر بنائے عمارت کی فکر میں ÷ یہ سب جو بلبلان تھیں جہانتک ہوا اُجاڑ
کتنا شگفتہ رو ہو کہ مانندِ آرسی ÷ چھاتی کے جس کے روبرو کھل جائیں ہیں کواڑ

گذری جب غم سے مجھے زندگیِ دہ روزہ ÷ رکھے اس غم کو خدا شہرِ محرم سے دور
عقل نہیں ایکدن آکر یہ کہا سودا سے ÷ خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور
لیکن اتنا ہی کہ وہ کام نہ کریو پیارے ÷ جس کا ثمرہ رکھے تم کو دلِ عالم سے دور

انکار قتل سے تو کرے ہی سجن ہنوز ÷ میلا نہیں ہوا ہی ہمارا کفن ہنوز

کس کے ہیں زیرِ زمیں دیدۂ نمناک ہنوز ÷ جابجا سوت ہیں پانی کے تہہِ خاک ہنوز

سودا کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا ÷ آئنہ لیکے آپ ہی کو دیکھے ہی ہنوز

ای لالہ گو فلک نے دیے تجکو چار داغ ÷ چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

کون کہتا ہے مت اوروں سے ملا کر مجھ سے مل
جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو ل پر مجھ سے مل

رنگِ گل نے طرح دیکھے ہے حسن اے ابرِ بہار
آشیاں میرا جھڑک لگتی ہے اب گلشن کو آگ

قاتل کے دل سے آہ نکلی ہوس تمام + ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

تسلی اس دیوانے کو نہ ہو جھولی کے پتھروں سے
اگر سودا کو چھیڑا ہے تو لڑکو مول لو پھریاں

ظاہر ہیں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں
آوے گر تو خواب میں سو خواب بھی نہیں

مجکو نہیں ہے دل میں ترے راہ کیا کروں
پڑتے اثر ہے عشق مرا آہ کیا کروں

کس کی ہیں یہ چمن میں صبا بدشرابیاں ؛ ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

نہ پوچھ سنگ و گل ای شیخ اس صدا کو مان
مرے صنم کی پرستش کر آ خدا کو مان

نہ غنچہ گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلی کلیاں
چمن میں لیکے خمیازہ کنہی نین انگھڑیاں ملیاں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

بلبل خاموش ہوں چو نقشِ دیوارِ چمن ؛ نہ قفس کے کام کا ہرگز نہ درکارِ چمن

نوک سے کانٹوں کے ٹپکے ہی لہو ای باغباں
کس دلِ آزردہ کے دامن کش ہیں خارِ چمن

جیوتک تو دیکھ لوں جو تو ہو کارگر کہیں ؛ ای آہ کیا کروں نہیں ملتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہی صُبح نہ آتی ہی مجھکو نیند
جس کو پُکارتا ہوں سو کہتا ہی مرگ نہیں
جادو بھری ہیں چشم مست آئنہ کو تو دیکھ
دھڑکے ہی دل مرا کہ نہ لپٹے نظر کہیں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہی کہ نہیں ✣ جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہی کہ نہیں
جرم ہی اُس کی جفا کا کہ وفا کی تقصیر ✣ کوئی تو بولو میاں مُنہ میں زباں ہی کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیئے پھرتا ہوں ✣ کچھ علاج اس کا بھی ای شیشہ گراں ہی کہ نہیں

اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو ✣ قسمت میں جو لکھا ہی الٰہی شتاب ہو
اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا مجھے ✣ ای الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

بہارِ باغ ہو مینا ہو جام صہبا ہو ✣ ہو لے ابر ہو ساقی ہو اور دنیا ہو
روا ہی کہتو بھلا اک سپہر نا انصاف ✣ ریائے زہد چھپے رازِ عشق رُسوا ہو
جو مہربان ہیں سودا کو مغتنم جانیں ✣ سپاہی زادوں سے ملتا ہی دیکھیے کیا ہو

الٰہی ہی سکت نعم البدل کے تجکو دینے کی ✣ مجھے اس کا عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر دل کو

بوؤں میں تخمِ دل کو جہاں ہاں زقوم ہو ✤ پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو
اپنے چمن کو فائدہ کیا تجھسے ای نسیم ✤ یہ جا ہی وہ کہ یہاں دمِ عیسیٰ سموم ہو

کعبہ کی زیارت کو ای شیخ میں پہونچونگا ✤ مستی سے مجھے بھولی جس دن رہِ میخانہ

مت ہنس مرے رونے پر آمان میں کہتا ہوں
ٹپکے ہی ابھی قطرہ اثر آلودہ

نسیم بھی ہی چمن میں اور اب صبا بھی ہی
ہماری خاک سے پوچھو تو کچھ رہا بھی ہی
قدم سنبھال کے رکھ خارِ دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہی

سودا جہاں میں آکے کوئی کچھ نہ لیگیا ✤ جاتا ہوں ایک میں دلِ پر آرزو لیے

غیرتِ عشق آنکر سودا نو پروانوں سے سیکھ ✤ شمع سے اپنا ہی ملتا دیکھ بلجاتے ہیں وہ

کس قدر ایک ہوا مست ہو ویرانہ کی + کسی لڑکے کو نہیں سدھ کسی دیوانہ کی

سودا کو جرم عشق پہ کرتے ہیں آج قتل + پہچانتا ہی تو یہ گنہگار کون ہی

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے + اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

اس حال کے نبھنے کا کچھ اسلوب نہیں ہی
یہ کج روشی ہم سے فلک خوب نہیں ہی

کہتا تھا بناگوش تری زلف کے آگے
میں صبح قیامت ہوں مری شام یہی ہی

قاصد کے تئیں میں اپنے جو کچھ کہ دوں بجا ہی
جیتا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہی

تیری گلی کی طرف اگر ٹک پون بہے + میں آپ کو جلا کے کروں خاک تو سہی

پہنچی نہ آہ تجکو مرے حال کی خبر ÷ قاصد گیا تو اُن نے بھی اپنی ہی کچھ کہی

عشرت سے دو جہان کے یہ دل ہاتھ دھو سکے ÷ تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے
جس سرزمین پہ جا کے روؤں تیری یاد میں ÷ دہقاں کچھ اُس زمین میں بجز داغ بو سکے

نہ ضرر کفر کو نہ دین کا نقصان مجھ سے ÷ باعثِ دشمنی ای گبر و مسلمان مجھ سے

آگیا رات کو جوں دزد حنا تیرے ہاتھ ÷ ورنہ پانوں کو لگا ہی تھا چوری چوری

تجھ تیغ تلے کہہ تو ستم سے کہ سر دھر دے
پیارے یہ ہمیں سے ہو ہر کارے و ہر مردے

دل کے تئیں ایک عالم کہتا ہے خدا کا گھر ÷ ای عشق اسے آتش سے تو تجھ کر دے
کھلنے تو لگا ہے دل جوں غنچہ ہمارا بھی ÷ لیکن نہ صبا تجھ سے گل ہے یادم سرے

سینہ کو زخموں سے کہ نگہہ تیری توڑ دے ÷ آنکھوں کی ہر ایک صفِ محشر کو توڑ دے

مرجان کا نخل ہوں نہ پھلوں گا نہ بار سے ✤ نکلے ہمیشہ خون مری شاخسار سے
خنجر طلب ہی مرگ سے ہر آہوئے حرم ✤ دل پھر گیا ہی کس کی مژہ کا شکار سے

زاہد چلا ہی کعبہ کو اور برہمن کنشت ✤ بندہ ہیں اُس کے ہم جو کسی دل میں گھر کرے
جگ میں شراب خوار کی تشہیر کے لئے ✤ سودا جو محتسب ہو تو زاہد کو خر کرے

دولاب کی ہی حق بطرف مستی سے فریاد ✤ پیمانہ کسی کے گلے کا ہار نہ ہووے
ہو دست خدائی میں تو یہ کیجئے فریاد ✤ ظالم ہو جو کوئی سو طرحدار نہ ہووے
کر ذبح شتابی مجھے صیاد کہ یہ صید ✤ ہاتھوں ہی میں تیرے کہیں مردار نہ ہووے

میں کہتا ہوں دل اپنے سے کہ ننگ و نام سے گزرے
نہوں گر اس میں یہ باتیں تو کیا آرام سے گزرے

مومن نہیں زنّار سے میرے آگاہ ✤ اس رشتہ کو ہی سبحۂ اسلام میں راہ
اُس بت کا برہمن ہوں کہ صوفی یا شیخ ✤ کہتے ہیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

در منقبت جنابِ پاک مرتضوی صلوات اللہ علیہ گفتہ رباعی

ایوانِ عدالت میں تمہارے یا شاہ ✤ کچھ ظلم کو ہی دخل عیاذاً باللہ

شیشہ کا جو وہاں طاق سے پٹکے ہے پانو ٭ پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

محمد حسین

کلیم تخلص از شاہجہان آباد است۔ مردے سپاہی پیشہ شاعر متقررے ریختہ۔ بوضعِ خود صاحبِ دیوان قصائد و مخمس و رباعی طرزش بطرزِ کسے مانا نیست۔ اکثر بزبانِ مرزا بیدل حرف میزند در فہم شعر نہ دارد او فکرِ عاجز سخنان پشت دست بر زمین بگزارد طبعِ روانِ او مانندِ سیلِ روانست و فکر رسایش آں سوئے آسمان بازوے فکرش زورین کش کمانِ معنی را، شعر پیچدار پرتاثیر او تیرِ سا کال ربا۔ اگرچہ کلیم در فارسی گزشتہ است اما کلیم ریختہ پیشِ فقیرا نیست۔ قطع نظر ازانکہ بندہ را بخدمت او قرابتِ قریبہ است یک اخلاص تہ دلی دارم۔ و اکثر بحالِ ایں ہیچمدان شفقت میفرماید۔ حق تعالے سلامت دارد۔ ازوست۔

آتی ہے دل پہ قلقلِ مینا سے اب شکست ٭ وہ دن گئے کلیم کہ شیشہ سنگ تھا

درازیِ شبِ ہجرانِ زلفِ یار کلیم ٭ نہ مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

ہو چکی حشر کی دوزخ و جنت میں خلق ٭ دیکھنا ہیں ترے کوچہ میں گرفتار ہنوز

ہر تار پیچ زلف کے عالم کی جان ہی ٭ گویا یہ اژدہا تھا کہ سب کو نگل گیا
قربان اس اکڑ کے عجب یہ مروڑ ہی ٭ آشفتہ ہو گئیں پہ نہ زلفوں سے بل گیا

ہیں بانکپن سے تیرے نہیں ڈرنیکا رقیب ٭ گر دل میں ہی تو مجکو للکار دیکھنا

کیا رقیب پردہ در کے آج میں ہاتھ پیچ ٭ حلقۂ در کی نمط گھر سے اسے بیرون کیا

نہ کچھ برا ہوا پرویز کا نہ شیریں کا ٭ ترے ہی سر پڑا ای فرہاد جو ہوا سو ہوا

نشان مجھ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں ٭ کہیں اس طرف ویرانہ کے ہو گا

نقاب اپنے رخ کا جو تو باز کرتا ٭ تو گل اپنی خوبی پہ کیا ناز کرتا
وفا کا ہوں پر بستہ نہیں توڑ پنجرا ٭ چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

تجھے برق خار سے کام کیا جو حیا ہی حق کو ملنظر ٭ یہ ازل کے دن سے نصیب ہی کف پاے آبلہ دار کا

لگا جب غیر سیتی ہم طبق ہونے وہ مہماں کُش
وہ اپنے ہاتھ دھوتا تھا میں اپنے ہاتھ ملتا تھا

کیا ہوا زلف سے گرہ کھولی ٭ میرے سر کا تو یہ گرہ نہ گیا

قبر میں بھی لیے ہمراہ گیا اپنے کلیم ٭ آہ کیوں دردِ دل اپنا نہ کسو کو سونپا

وہی ایک ہی جوان دونوں گھروں میں خلق ڈھونڈھے ہے
پس اے زاہد اگر مسجد سے بت خانہ ہوا تو کیا

سر بھی ہے تیغ بھی ہے لگانا ہے تو لگا
کہیو نہ جان پھر کے کہ یہ جیو چھپا گیا

تجھ بغیر عجب میرا رنگ تھا ٭ روشن تھی شمع آہ دل اُس پہ پتنگ سا تھا

زبانِ موج سے یوں بحر کہتا تھا حبابوں سے
کہ اپنا سر ہی کھاتا ہے جہاں میں جس نے سر کھینچا

ای شمع تیری باری ہی شب کو کہ شام تک
اپنے دنوں کو جتنا ہیں رونا تھا رو چکا

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہرگز ای کلیم
آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

تو نہ آیا باغ میں شمشاد غم سے خم ہوا ؛ طوق قمری کا فغاں سے حلقۂ ماتم ہوا
کس پریشانی میں قدم رکھا ہی پیچ و تاب سے ؛ جادہ آتا ہی نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا
وہ نازک تن لطافت سے کسی کو نہیں نظر آتا ؛ مقرر ایک جا تو ہی نہ کیا جانے کہاں ہوگا

چھپایا ہی آمری چشم پر آب میں دریا ؛ کہیں بھی دیکھا ہی اشک حباب میں دریا

پاس ناموس محبت ہی مجھے از بس کلیم ؛ باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضائے عندلیب

دیوانہ کر جوالوں سے یہ اڑ رہا جو چلا ؛ مدت سے ہم تو چھوڑ کے پھرتے ہیں بیاباں تجھے نپٹ

ہمیں تو پانوں پر بھی سر کے رکھنے کو نہ فرمایا
ملیں ہم خاک میں اور لے ترا داماں یا قسمت

رکھا ہی زلفِ یار کا کوچہ ہزار پیچ ٭ ای دل سمجھ کے جائیو ہی راہ مارپیچ

برق نظّارہ سے از بسکہ جلا ہوں نکلے
نگہ گرم جو کوئی ڈھونڈے میری خاکستر
لالہ و گل سے مجھے کام کیا میری وحشت
مجھ اوپر لائی ہی ایک رنگ سے رنگِ دیگر

زلف کو خواب میں دیکھا تھا جنوں سے شب کو
صبح بیدار ہوا پائی گلے میں زنجیر

بوسہ تو کچھ نہ تھا ای میری جان اس قدر
تسپر رہے ہو ہم سے بُرا مان اس قدر

سوز غم کھا چکا ہی دل اس پر جگر جلا ٭ کہتا ہی مجکو غم ہی ایک آرزو ہنوز

جو صدا آتی ہی اُس وادی سے ہی سینہ خراش
یہ کوئی دل رُلاجاتا ہی نہیں بانگِ جرس

ہم گم ہوئے ہیں ضعف سے جوں بو میانِ باغ
پھرتا ہی رنگِ گل کہ ہمارا کرے سُراغ
جوں کعبتین گھر میں مرے گل ہی ہی بساط
یک مشت استخوان ہوں اور شش جہت سے داغ

جو دینا تھا مانگے بغیر از دیا ہی ÷ کٹے وہ زبان جو کہ اس پہ ہو سائل
پوچھ مت غم کی داستان ای دل ÷ کہ پڑا ٹوٹ آسمان ای دل

ہم سے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب ÷ ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم

تم جام اگر دو پیارے کیونکر کریں نہیں ہم ÷ خونِ جگر تھا تو بھی پی ہی گئے وہیں ہم
تو یار ملکے ہم سے جب ایک ہو گیا ہو ÷ کس کو بعید باتیں کس کو کہیں ہیں ہم
تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو ÷ یا تم ہی سب ہو ہم ہیں یا سب کے سب ہیں ہم

طریقِ عشق میں مجنوں و کوہ کن کو نہ لکھ ÷ ہزاروں ہو گئے غارت سوا ایک دو معلوم

مانندِ سرو ہوں کہ نہ گل ہی نہ بر مجھے ÷ بیکارِ بلغ ہوں نہ سزاوارِ باغ ہوں

جب اصل مذاہب کو واعظ سیتی ہم پوچھا ∴ تب ہم سے لگا کہنے قصہ و حکایتیں

رنگ اڑ ادھر چھا گیا اور چہرہ پڑا شرمندہ ہو ∴ تجھ سیتی گل پر ہوئی کیا کیا خرابی باغ میں

جمعہ کو کہتا تھا واعظ سے کھڑا رند مست ∴ کچھ نظر میں تیرے بھی سود و زیاں ہے کہ نہیں
یہ سخن ہے کہ نہ پی مے سو وہاں ہووے گا ∴ یہاں تو پی لیجئے کیا جانئے وہاں ہے کہ نہیں

نَے اور طنبور میں یہ سوز تو معلوم اے مطرب
کسی کا دل ہوا ہے شائد اس پردہ میں آ نالان

کسی سے بھی نہ ملئے ایک گوشہ میں پڑے رہئے

تیر ہے یا سناں ہے تیری نگا ہ ∴ ہو گئی پار مجھ جگر کے آ ہ

تیری جناب میں آیا ہوں یا الٰہ نہ پوچھ ∴ یہی کہ بخش دے اور مجھ سے کچھ گناہ نہ پوچھ

کوئی گل کا ہمیں شوق نہیں یہی داغ مجھے بس ہے یا ∴ جاتا ہوں میں گلشن سے بلبل نہ ہو آزردہ

اب وہم شمردگی سے مجھے کاروبار ہی ؛ ہر دم مرے حساب میں فرد شمار ہی

غرورِ حسن مگر نہیں کسی کی داد کو پہنچے ؛ غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

تو ای بارانِ رحمت اوج میں آموج سے اپنے
کہ یک قطرہ میں میرے کشت کا بھی کام ہو جاوے

جہاں میں یہ میں نہیں جانتا کہاں تو ہی
پر اتنا جانتا ہوں سب تو ہی جہاں تو ہی

میں کہتا تھا ساقی ایاغ اکہاں ہی ؛ پنٹھ دیر کے تئیں دماغ اکہاں ہی

اُس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہیے ؛ اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیے

گلزار تو چمن میں اچپلی سے نہ گیا ؛ یہ دل بھی کلی سے جیکلی سے نہ گیا
جو کوئی کہہ گیا چھوڑ گیا دل کو یہاں ؛ کوئی دل سے تیری گلی سے نہ گیا

ہرچند لگائے ہیں بتاں گل مہندی ٭ تیرے ہی قدم تلے گئے رل مہندی
ہیہات ہیہات کیسا ہوگا وہ ہات ٭ جس ہاتھ سیتی داغ ہوئی گل مہندی

میاں صاحب میاں خواجہ میر سلمہ اللہ تعالیٰ

المتخلص بدرد، جوشِ بہار گلستان سخن، عندلیبِ خوش خوانِ چمن این فن زبانِ گفتگویش گرہ کشائے زلفِ شام مدعا۔ مصرعِ نوشتہ اش بر صفحۂ کاغذ از کاکلِ صبح خوشنما طبعِ سخن پردازِ او سروِ مائل چمنستانِ انداز است۔ گاہے در کوچۂ باغِ تلاش بطریقِ گل گشت قدم رنجہ میفرماید۔ در چمن نثرش لفظ رنگین چمن چمن۔ گلچین خیالِ اورا گلِ معنی دامن دامن۔ شاعرِ زورآورِ ریختہ، درکمالِ علاقگی وارستہ، خلیق، متواضع، آشنائے درست۔ شعرِ فارسی ہم میگوید اما بیشتر رباعی۔ گرمئ بازار وسعتِ مشربِ اوست۔ غرض از آشنائی مطلبِ اوست۔ متوطن شاہجہان آباد۔ بزرگ و بزرگ زادہ، جوانِ صالح۔ از درویشی بہرۂ وافی دارد۔ فقیر را بخدمتِ او بندگی خاص است۔ اگرچہ حسنِ سلوک عام

سیر حسن سلوک بپایۂ خود گرفتہ، اعتزاز را از گوشۂ دل نہاں
خلف الصدق حضرت خواجہ ناصر صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ است
کہ مقتدائے عالم است۔ ایامے کہ فقیر بخدمت آں بزرگوار
شرف اندوز میشد، از زبانِ مبارکش میفرمود، کہ میر
محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد۔ الحمدللہ والمنۃ کہ حرفِ آں
میر سلسلۂ خدا پرستان موثر افتاد، باطن آں خضرِ قافلۂ
اہلِ عرفاں کہ از ظاہرش ظاہر تر ہست زود کار کرد۔ مجلسِ
ریختہ کہ بخانۂ بندہ بتاریخ پانزدہم ہرماہ مقرر است واللہ
بذاتِ ہمیں بزرگ است۔ زیرا کہ پیشِ ازیں ایں مجلس بخانہ‌اش
مقرر بود۔ از گردشِ روزگار بیمدار برہم خورد۔ ازبسکہ بایں
احقر اخلاص دلی داشت گفت کہ ایں مجمع را شما اگر بخانۂ
خود معین بکنید، بہتر است۔ نظر بر اخلاص آں مشفق
عمل کردہ آمد۔ خدائش ابدالآباد سلامت دارد۔ از وست۔

کبھو خوش بھی کیا ہے جیو کسی رندِ شرابی کا
بھڑادے منھ سے منھ ساقی ہمارا اور گلابی کا
بجھے شعلے بھی کتنے کتنی ہی موجیں مٹیں یارب
کبھو دل کی بھی ہوگا کام آخر اضطرابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یہاں فرصت ہستی
فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا
زمانہ کی نہ دیکھی جرعہ ریزی درد کچھ تو نیں
ملایا مثلِ مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

اکسیر پر ہوس اتنا نہ ناز کرنا ÷ ہی کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا
ہم جانتے نہیں ہیں ای درد کیا ہی کعبہ ÷ جیدھر بھریں وہ ابرو اودھر نماز کرنا

جگ میں آکر ادھر اودھر دیکھا ÷ تو ہی آیا نظر جیدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی ÷ جس طرف تو نیں آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری ÷ آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی ÷ ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا ÷ کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
دیکھئے غم سے ابکے جیو میرا ÷ نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں ÷ کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا
قتل سے میرے وہ جو باز رہا ÷ کسی بدخواہ نے کہا ہوگا

دل بھی اے درد قطرۂ خون تھا ٭ آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

عاشق بیدل ترا یہاں تلک تو جیو سے سیر تھا
زندگی کا اُس کو جو دم تھا دمِ شمشیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اُس کو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے خاک کا یہاں ڈھیر تھا
حرص کروالی ہو رہ یہ بازباں سب رنہ یہاں
اپنے اپنے بوریے پر جو گدا تھا شیر تھا
شیخ کعبہ ہوکے پہنچا ہم کنشتِ دل میں ہو
دردؔ منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہیگا ٭ تو ایک دن مرا جیو ہی جاتا رہیگا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے ٭ مری یاد تجھ کو دلاتا رہیگا
خفا ہوکے اے دردؔ مر تو چلا تو ٭ کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہیگا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا ٭ میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر ٭ میں نیں تو در گزر نہ کی جو مجھسے ہو سکا

جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر ٭ تو بھی تو درد داغ دل اپنا نہ دھو سکا
انداز وہ ہی سمجھے مری دل کی آہ کا ٭ زخمی جو کوئی ہوا ہو کسی کی نگاہ کا

دل اس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی ٭ ای نے خبر برا ہی یہ فرقہ سپاہ کا
شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں ٭ نہ تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا ٭ عاشق پھر جیو کے کیا کرے گا
مژگان تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں ٭ جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں
کھینچے ہی دور آپ کو میری فروتنی ٭ افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں
ای درد جا چکا ہی مرا کام ضبط سے ٭ میں غمزدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

نہ ملئے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہی ٭ وگر ملئے تو مشکل ہی کہ وہ بدنام ہوتا ہی
یہ حسن و عشق مل سمجھیں گے یا آپس میں جو ہوگا ٭ پر ان دونوں کے الجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہی

یا رب سپہر اتنی تو آب درگزر کرے ٭ کوئی خانماں خراب کسو دل میں گھر کرے

نہ خانۂ خدا ہی نہ ہی یہ بتوں کا گھر ٭ رہتا ہی کون اس دل خانہ خراب میں

میں اور تجھ سے درد خریداری بتاں ٭ ہی ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں ٭ دل ہی نہیں رہا ہی جو کچھ آرزو کریں
مٹ جائیں ایکدم میں کثرت نمائیاں ٭ گر آئینہ کے سامنے ہم آ کے ہو کریں
ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول ٭ منھ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں
تر دامنی پہ شیخ ہماری نجا ابھی ٭ دامن نچوڑ دے تو فرشتے وضو کریں
ہی اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر ٭ اے درد آ کے بیعت دست سبو کریں

اُس نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں ٭ پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں
آجائے ایسے جینے سے اپنا تو جی تنگ ٭ جیتا رہیگا کب تلک اے خضر مر کہیں
مدت تلک جہان میں ہنستے پھرا کئے ٭ جی میں ہی خوب رو لیے اب بیٹھ کر کہیں
ایک دل سو وہ بھی ہو ہی چکا صرف داغ سب ٭ بہتا پھرے ہی خوں میں کسی کا جگر کہیں
پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے ٭ اے خانماں خراب ترا بھی ہی گھر کہیں
کہنے لگا مکان معین فقیر کو ٭ لازم ہی کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو ہر کہیں
درویش ہر کجا کہ شب آمد سرای اوست ٭ تو نے سنا نہیں ہی یہ مصرع مگر کہیں

مست ہوں پیر مغاں کیا مجکو فرماتا ہی تو ٭ پائے بوس خم کروں یا دست بوسی سبو

ٹال دینا اُس کو نِت ہر طرح جوں قبلہ نما ٭ پھر مجھے ہر پھر کے آ رہنا اُسی کے رُوبرو

ربط ہی نازِ بتاں کو تو مری جان کے ساتھ ٭ جی ہی وابستہ مرا اُن کی ہر اک آن کے ساتھ
اپنے ہاتوں ہی سے بین نر در کا دیوانہ ہوں ٭ ماندن کشتی ہی رہتی ہی گریباں کے ساتھ
گر مسیحا نفسی ہو یہ ہی مُضطرب تو خیر ٭ جیو ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر اک تان کے ساتھ

جی کی جی میں ہی کچھ بات نہ ہونے پائی ٭ ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی
دید و وا دید تو ہوئی دور سے میری اُسکی ٭ پر جو میں چاہوں تھا وہ بات نہ ہونے پائی
اُٹھ چلے شیخ جیو تم مجلسِ رنداں سے شتاب ق ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی
جی میں مرکوز جو تھی آپ کی خدمتگاری ٭ سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

فرصتِ زندگی بہت کم ہی ٭ مغتنم ہی یہ دید جو دم ہی
دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہی ٭ دونوں عالم کا ایک عالم ہی
اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن ٭ جو شجر ہی سو نخلِ ماتم ہی
درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم ٭ وہی رونا ہی نت وہی غم ہی

مدعا ہی جب تک تری جستجو ہی ٭ زباں جب تلک ہی یہی گفتگو ہی

تمنّا ہی تیری اگر ہی تمنّا ÷ تیری آرزو ہی اگر آرزو ہی
غنیمت ہی یہ دید و وادید یاراں ÷ جہاں آنکھ مند گئی نہیں ہوں نہ تو ہی

روندے ہی نقشِ پا کی طرح خلق یہاں مجھے ÷ ای عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
ای گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں ÷ گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے
پتھر تلے کا ہاتھ ہی غفلت کے ہاتھ دل ÷ سنگِ گراں ہوئی ہی یہ خوابِ گراں مجھے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب جان ہی رواں ہی ÷ جو کچھ ہی دل میں میرے منہ پہ مرے عیاں ہی
آہوں کی کشمکش میں کہیں دیکھیو نہ ٹوٹے ÷ تارِ نفس سے ای دل وابستہ میری جاں ہی
یہ راہِ خاکساری میں سر سے قطع کی ہی ÷ نقشِ جبیں ہی میرا ہر نقشِ پا جہاں ہی
مت موت کی تمنّا ای دردؔ ہر گھڑی کر ÷ دنیا کو دیکھ تو سہی تو تو ابھی جواں ہی

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے ÷ جوں صدا نکلا ہی جا ہے خانۂ زنجیر سے

دردؔ اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے ÷ جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول ÷ دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے
دل دے چکا ہوں اُن بُتِ کافر کے ہاتھ میں ÷ اب حق میں میرے دیکھیے اللہ کیا کرے

ماہی سے کچھ نہ ہوئے بیانِ شِدّت کی خلش ٭ جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہووے ٭ تو کوئی نظر قابلِ دیدار نہ ہووے
پھر موت کسو طرح سے نزدیک نہ پھٹکے ٭ دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے
گزرے نہ ترے سامنے سے کوئی کہ جیسا ٭ شیشہ کی طرح دل کی نگہ پار نہ ہووے
دل ویسے ستمگار سے اظہارِ محبت ٭ ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

دیکھ لوں گا میں اُسے دیکھیے مرتے مرتے ٭ نکل جائیگا جی نالہ ہی کرتے کرتے
لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یہاں مجلس ہی ٭ خالی ہوئی جاتے ہے پیالہ کے بھرتے بھرتے
وردِ جوں نقشِ قدم تھا سرِرہ اس کے ٭ مٹ گیا اور وہی پانوں کے دھرتے دھرتے

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو ٭ یہ نہ آ جائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

کوئی دم جو چپ رہا تھا میں جانا کہ مر گیا ٭ ای وائے درد تو نہیں پھر اب نالہ سر کیا

ساقی ہوائے ابر میں رو رو کے تجھ بغیر

وحدت نے ہر طرف تیرے جلوے دکھا دے ☆ پردہ تعینات کے جو تجھے اُٹھادے
یارب تجھے کیا خرام وہ جتنے ایک آن ہیں ☆ کتنے ہی مردے حشر سے آگے جلادے
سیلاب اشکِ گرم نے اعضا میرے تمام ☆ اور درد کچھ بہاوے اور کچھ جلادے

میر سجّاد

از اکبرآباد است مردِ طالبِ علم مستعد، و شاعرِ خوب ریختہ شاگردِ میاں آبرو سجّاد تخلص میکند۔ بسیار آدمی خوبے است سخن او بپایۂ اوستادی رسیدہ۔ چنین خوشگو، وسعنی یاب اگرچہ در بندِ لفظِ تازہ است، لیکن بر زبانِ خامۂ او خیلہائے معنی سپاہی میکند۔ لب و دہن ہر کم لغلے نیست، کہ پیش او چوں کاغذ سفید نشود۔ فکرِ رنگینِ او چمن تلاش را سایۂ ابرِ بہارے، ہر مصرع بنا ش را طرف لطف با چارے، ہر بیت بحرِ خفیفش بر جگر نشتر زن زبانِ طاقت بیانش رگِ سخن۔ بے انصافی امر علٰحدہ است وگرنہ نہ داری شعرِ سوختہ پیچدارش بوئے آتش دیدہ بہ ماند۔ قبل ازیں بخانۂ او مجلسِ یارانِ ریختہ میشد۔ بندہ نیز میرفتم۔ اکنوں بسبب عوارضاتِ

طرفین ربط گونہ ماندہ است۔ ازوست۔

کافرتبوں سے داد نہ چاہو کہ یہاں کوئی ÷ مرجا ستم سے ان کے تو کہتے ہیں حق ہوا

اگرچہ باطل باطل است، لیکن بجائے کافر کہ اول ہیئتِ مصرع واقع است باعتقاد فقیر لفظ باطل حق است۔

گر تیرے گل کے آنے میں کھوئے نہیں حواس
سجاد کیوں بھرے ہی سجن آج فق ہوا
ساقی بغیر جام کے جیو کا بچاؤ نہیں
جوں فیل مست آوے ہی ابرِ سیہ بلا
کیوں مشتِ گل بھی دل کی نہ رونے میں بہہ گئی
سجاد مجکو باقی ہی چشموں سے یہ گلا

غم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل
پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اُس کو بل دیا
تجکو ای سجاد غیر از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

جو دل ہو گلوں سے اٹکتا ہوا ÷ وہ کانٹا ہی جیو میں کھٹکتا ہوا

بتاں تو چاہتے سجّاد تجھکو ٭ کریں پر کیا خدا انہیں جو نچاہا

آتشِ غم نے ہم کو سرد کیا ٭ دل پھپولا ہوا وہ درد کیا

بتوں کی بھی یہ یاد دو روز ہی ٭ ہمیشہ رہے نام اللہ کا

اب جلا لے ٹک آن کر ساقی ٭ عمر کا بھر چکا ہی پیمانہ

عشق میں جائے گا کہیں مارا ٭ جسطرح دل ہوا ہی آوارا

مقبول اس جہاں کا ہرگز غنی نہ دیکھا ٭ راجہ وہی ہی جو کوئی یہاں گیا ہے رانا
سجّاد کوئی دیکھے بیتابیاں تو دل کی ٭ ہی زندگی ہماری یہ موت کا نمونا

یار سے دل ملا وہ غیر سیتی ٭ نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

لاوتے ہو میرے آگے کیا دوا ٭ خونِ دل اپنا پیوں ہیں یا دوا
دل میں تو خطرہ نہ لا ہرگز طبیبا ٭ دیکھ کر میرے مرض کو لا دوا

جان و دل سے قبول ہی جانا ؛ ہر گلی میں نری سمجھے آ نا

میں نے جانا تھا قلمبند کرینگا دو حرف ؛ شوق کے لکھنے کا سجا دو نے دفتر کھولا

بیٹھے اگر خوشی سے آکر چمن میں بلبل ؛ کریاں میں غلیلا ایسا لگے کہ اُڑ جا

خط کترواکے آج قینچی سے ؛ ہم سے ملنے میں جائے ہی کترا

تیری شمشیر سے جدا ہو کر ؛ سر مرا مجکو تن نہیں دیتا
کیا کرے پانو بھی کہ جنگل میں ؛ کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

مرے دیکھ کر حال داماں کا ؛ پھٹے کیوں نہ سینہ گریبان کا

سب کی نظر سے گر کر ایکدم میں پست ہو جا ؛ گر میکشوں میں آوے اپنو مست ہو جا

قاتل کی تیغ آگے جاتے ہیں ہم بدھڑک ؛ ہرگز ہمارے دل میں سر کا نہیں ہے دھڑکا

شتابی پلادے کہ جاتا ہی ابر ؛ جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

سجّاد مہرباں کرے کوئی اُس کو کس طرح ؛ غصّہ ہوا ہی یار میں کچھ اندنوں غضب

چین دے ہی نہ چین لے ہی آپ ؛ دل ہوا ہی ہمارے جیو کچھ پاپ
کبھی منزل بہ ہوئی تھی پوری ؛ بہت اس راہ کو گئے ہیں ماپ

ہر کام کا اگرچہ ہوتا ہی کہ سہل اوّل ؛ پر عشق کی ستم ہی کوئی ابتدا نہایت

ایک دکھ ہی عاشقی کے بیچ میں ؛ پانوں کے نزدیک راہ دور دست

چلنے سے صدقِ دل کے سبب بچ گیا خلیل ؛ وہ بات ہی کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہی آنچ

دل آبادی میں تنہا کھینچ مت رنج ؛ کہ ویرانہ میں دیوانوں کا ہی گنج

بند میں مت رہ دیوانے عقل کے ؛ کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

غیروں کو جان خواب میں غفلت کے ڈال کر ؛ ایک رات آ کے سو رہو ہم پاس آنکھ موندہ

مر گئے پر اگر نہیں آسیب ؛ کیوں یہ رکھتے ہیں قبر پر تعویذ

مت ہو نامہ عبث کو جا کاغذ ؛ اپنے اوپر نہ حرف لا کاغذ
یہ دھواں سا فلک ستاروں ساتھ ؛ ہے نظر میں مری جلا کاغذ
آسماں ایک رقعہ دار نہیں ؛ غم کے لکھنے کو ہے بڑا کاغذ

جتنے چمن کے بیچ بٹھائے ہیں نونہال
تعظیم تیری کرتے ہیں سب اٹھ کے سرو قد

اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا ہے قہر ؛ جنگل میں آ بھرا ہے نکل کر تمام شہر
ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ ؛ لاگی ہے جس زمانہ سے جلتی ہے دیر دیر

سبھی جلتے تھے شمع و پروانہ ؛ رات یہ دل سے تھے اہل مجلس پر

کوئی گم گیا ہوگا زلفوں کی راہ ؛ بہت رکھتے ہیں اس سفر سے حذر

دیوانہ کا نہیں مطلب دیوانہ ⁘ تو کیوں نامہ پہ ہے سطروں کی زنجیر

شوقِ جنوں میں تیری عوض خاک جیب کے ⁘ نرگس چمن میں بیٹھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

لختِ جگر ہمارا پانوں کے ساتھ کھا کر ⁘ کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چبا چبا کر

کھا گیا مجروح دل میرے کو داغ ⁘ حال کیا کچھ گوشت کا کرتا ہے زاغ

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف ⁘ روزِ سیاہ و نالۂ شب گیر ہے یہ زلف

خاموش اس سبب ستی رہتا ہے بیشتر ⁘ تنگ اس قدر ہے منھ کہ نکلتا نہیں ہے حرف

دور میں رخسار کے تیری کہیں انصاف نہیں ⁘ خط چرا لیجائے دل کو اور باندھے جا زلف

جس خوبرو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق ⁘ کہتے ہیں سارے اس کے تئیں حسنِ اتفاق

دل کو کبھی پیار دلا کر تو اے سجن ⁘ لاگا نہیں گلے سے مرا آکے آج لگ

جب تک ترے بدن کو نہ عاشق بدن لگاوے
لگتا نہیں ہے تب تئیں ہرگز کچھ اُس کے انگ
زلفوں کے جب اُلجھتے ہیں اُس ساتھ آ کے بال
دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت تب نکال

گلی میں تری بیٹھتے ہی سجن ؞ اِن آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

تدبیر اور کچھ نہیں مجنوں کے حسب حال ؞ لیلیٰ کے والدین اُسے دیں شہر نکال

کیا جانتے تھے ہم سے مل کر کے اصل سے کل
اگلی بہار میں یوں ہوویں گے فصل سے گل

سجّاد فکر ہم نہ کریں کیونکہ شعر کی ؞ لگتے ہیں جا کے یار کے مُنہ سے سخن پہ ہم

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجاوے اُسے
خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم

پھیر جائیں خوبرو آنکھیں کریں ہیں جب بناؤ
دیکھ سرمہ کے تئیں ہو جائیں ظالم سیاہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں   سب مزے در کنار ہوتے ہیں

ناخدائی ٹک ایک کر ساقی   ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں
تیر وہ ہیں کسی نشانے پر   میرے سینہ کے پار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک ٭ تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

برابر اپنے سجن بندگی کے کاموں میں
نہیں ہیں دیکھنا صاحب کے کوئی غلاموں میں

کس طرح کوہ کن پہ گزریگی   ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

از مصنف ہمچنیں ہر دو مصرع شنیدہ شد۔

ہجر شیریں ہیں کیونکہ کاٹے گا ٭ کوہ کن یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے بھری ہوئیں
آنکھیں نشہ کے بیچ تمھاری گلابیاں

میں جو اُس کی گلی میں جاتا ہوں ٭ دل کو کچھ گم ہوا سا پاتا ہوں

سایہ ہیں ہم اس باغ کے ہر بلبل و گل ساتھ
مدت تئیں دیوار بہ دیوار رہے ہیں

دیکھوں طبیب درپی دارو ہے کب تئیں
مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں

جو ایک دھج ہے ابروے خمدار میں ٭ کہاں پائی یہ ضرب تلوار میں

ہر سادہ رو مخطط ہونے کی دھن کچھ ہے ٭ لیکن کوئی نکالے تیرا سا خط تو کھدیں

جب کرے ہے تبسم دہن کلیاں ٭ مُنھ سے غنچہ کے پھول جھڑتے ہیں

تیغ تیری کے تلے دھر جائے سر ٭ جان اتنا کوئی جی رکھتا نہیں

تیرے وحشی نگہ سے جنگل میں ٭ بھاگنے پر غزال بیٹھے ہیں

دونوں طرف جو منھ پہ ہیں موجیں سی ماریاں
کھریاں ہیں میرے شوق کی زلفیں تمھاریاں

صیت شعراب مرا ہوا ہی بلند ٭ شاعروں کو کہو کہ فکر کریں

لب شیریں پہ اُس کے مرتا ہوں ٭ زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

یہ سجاد کے دل کے جلنے کی قدر ٭ نہیں بوجھتی شمع اُس کو بجھا دو

میرا جلا ہوا دل مژگاں سے کب ہے لائق
اس آبلہ کو کیوں تم کانٹوں میں اینچتے ہو

ہرچند در مثل تصرف جائز نیست۔ زیرا کہ مثل اینچنیں است (کہ کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو) لیکن چوں شاعر را قادرِ سخن یافتم

معاف داشتم۔

دیکھ مہندی لگی اُن ہاتوں کو
پھول آ کر لگے ہیں پانوں کو

تو روز وصل کے بیٹھے ہو پاس کن کن کو لئے
یہ راتیں ہجر کی کاٹی تھیں ہم اسی دن کو

چھاتی تڑفے ہو کھلنے وسکی سکا نٹھ
زر ہو غنچہ کی طرح جس کی گانٹھ
سانپ کی طرح کنڈلی مارے ہو
زلف تیری ہو کوئی بس کی گانٹھ

نہ جوں زلف تیرہ ہو ہر دل کی آہ   نصیبوں سے ملتے ہیں بخت سیاہ
تیری آنکھوں تلے اندھیرا ہو   پتلیاں یہ نہیں تنیں ہیں سیاہ

دل جیسے خط کے سبزے میں کھلیاں ہو گئے
پڑتے ہیں اپنے جنگ میں بھی کھیت گاہ گاہ

شرمندہ ہو گئی ہی تیرے منھ سے آرسی
اب پھر کے روبرو ترے ہرگز وہ آئنہ

یار کا جامہ نہیں ہے گا عزیز   یوسف اپنا پیرہن تہ کر رکھے

رات اُس زلف کا وہ افسانہ   قصّہ کوتہ بڑی کہانی ہی
آ بچنے ہے خدا سے پیری میں   بُت پرستی ہی اور جوانی ہی

جو کوئی گرا سو آخر تحت الثری کو پہنچا   ظالم کے گھر کی گلیاں کچھ کم نہیں کنوئے سے

بے تکلّف ہو سبھوں سے وہ ملے ہی سجّاد   دختر رز بھی عجب طرح کی مستانی ہی

اگر شعر من میبو دبیش مصرع اینقسم میگفتم   بے تکلف ہو بیٹھ سر پہ چڑھے ہی سجّاد

ہاتھ ہی میں رہے ہی طفلوں کے   یہ تماشے کا دل کھلونا ہی

ٹک اس کی کان دھر کر تم سُن لو   پرانے دردمندوں کی ہی یہ لَے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے ٭ جو یہ کشتی تر ی تو بس ڈوبے
ہمہ شعر سبحان اللہ۔ لیکن فقیر را از دیدن ایں شعر تواجد
دست بہم میدہد۔ از بسکہ از خواندنِ ایں شعر خطّے بر میدارم۔
میخواہم کہ بعمد جا نبویسم۔

تمھیں غیر سے صحبت اب آبنی	اُسے دوستی ہم سے ہی دشمنی

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہی	یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہی

جب تک نہیں پہنچتے تیرے آستاں تلک	تب تک ہماری خاک کی مٹی خراب ہی

کچھ یہ تجّاد کے جیو پہ ہی عجب حالت ہی	ورنہ دیکھے ہیں ہیں ان دکھے بیمار کئے

ای صنم زنّار پہنے تجھ وفا کے واسطے	ورنہ کوئی کافر نہیں ہوتا خدا کے واسطے

عاشقوں کا صنم لہو پی پی	دم بدم تیری تیغ اُگلے ہی

ماہرو بن یہ شمع محفل میں	جیسی روشن ہی سب یہ روشن ہی

بے پرواری اس کی کسی سے نہ ہو ٭ ہے ابرو نرے ننگی شمشیر ہے

پانوں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں ٭ کیا پھولوں نیں سر اوٹھایا ہے

ہرگز آنے نہ دینگے غیروں کو ٭ جان ہرچند ہم گئے ہونگے

میر محتشم علیخاں

حشمت تخلص سید صحیح النسب بود۔ سپاہی عمدہ روزگار شاعر خوب فارسی و ریختہ فہمیدہ، سنجیدہ، باہمہ بعجز و انکسار پیش می آید۔ جنسے بود، کہ در دل ہمہ کس جائے او خالیست از خاک پاک دہلی بود در مغل پورہ سکونت داشت۔ برادر کلان او کہ میر ولایت اللہ خاں باشد از مغتنمات روزگار است۔ دیریست کہ ترک روزگار کردہ خانہ نشین است۔ گاہے فکر شعر ہم میکند۔ بر فقیر شفقت و عنایت بسیارے میکند خدا در حفظ خودش نگاہ دارد۔ وآں مرد از ناموئے روزگار ناہنجار فوراً فوت شد۔ خداش بیا مرزد از حشمت است۔

نکہتِ گل نیں جگایا کسے زنداں کے بیچ • پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دیوانہ کی خبر لو • اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

کرم اللہ خاں درد

ہمشیرزادہ نواب عمدۃ الملک امیرخاں بہادر است. بسیار خوش فکر، و عاشقِ سخن، خالی از دردمندی نیست. خوب میگوید، و خوب مے فہمد. بندہ بخدمتِ او رفتہ یک ملاقات کردہ ام. طبع شور انگیزے دارد، مرد خوشست. خدایش زندہ دارد. ازوست.

میرے سینہ میں ہر یک سانس ہو کر پھانس کھٹکے ہے
خلش دل کی نکل جاوے تو کیا آرام ہو جاوے

سامنے ہوتے ہی پھر نقش نہ پائی دل کی • بٹ گیا نوکِ سناں پر صفِ مژگاں کے بیچ

اشرف علی خاں

فغاں تخلص کوکہ بادشاہ احمد شاہ، داخلِ ذیل نتیجہ امرایان ہست بسیار جوانِ قابل، و ہنگامہ آرا، شعر ریختہ را بخوبی میگوید۔ گاہے فکر غزل فارسی ہم میکند۔ شاگردِ غزل باش خانِ مرحوم است درین ایام طبعِ او مائل لطیفہ بسیار است۔ چنانچہ ناگرل را کہ دیوانِ تن و ڈھیل بادشاہیست۔ گھی کی منڈی کا سانڈ گفتند۔ ہرکہ دیدہ دیدہ باشد، او فہمیدہ باشد۔ و حکیم معصوم را در دربار معلے گاؤ گجراتی نام کردہ۔ ہرکہ حکیم صاحب را بیند داند بندہ بخدمت او بسیار مربوطم، از دوست۔

ساقی نہ میں یہاں آپ سے کچھ چشم تر آیا
دل دیکھتے ہی ابر کے ناچار بھر آیا
آوازہ پریشانِ و شکستہ دلِ بدنام
سُنتے تھے فغاں جس کو سو آج ہی نظر آیا

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشکِ سرخ کا ؛ کب آستین تری مرے لو ہو سے بھر گئی

این شعر را مرزا رفیع در غزلِ خود قطعہ کردہ است۔ و

چہ خوب کردہ۔

شیخ محمد حاتم

حاتم تخلص از شاہجہان آباد است۔ میگوید۔ کہ من بامیان آبرو ہمطرح بودم مرویست جاہل و متمکن و مقطع وضع، دیر آشنا غنا ندارد۔ دریافتہ نمیشود کہ ایں رگِ کہن بسببِ شاعری است۔ کہ ہیچو من دیگرے نیست۔ یا وضع او ہمین است۔ خوب است مارا بایںہا چہ کار۔ شعر بسیار دارد۔ دیوانش تا ردیف میم بدست آمدہ بود۔ دپارہ اشعارِ آں نگاشتند بیشترند۔ بامن ہم آشنائے بیگانہ است۔ از وست۔

مثال بحر موجیں مارتا ہے لیا ہے جن نے اس جگ سے کنارا

آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا ہیگا لباسیوں میں جن نے لباس رنگا

پا نومت دھر بوالہوس بحرِ عمیقِ عشق ہیں
جان کر ڈوبا ہے یہاں انجان جو آکر پڑا

نال کی سی طرح چاہے تھا کہ بلا دے مجھے
مدعی آخر کو اپنے زور میں آپ ہی گرا

آب حیات جا کے کسو نے پیا تو کیا   مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا

ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی   کہ کہے سب جہاں وصال ہوا
تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے   بوریا کا نقش ہم پہلو مرا
ہر قدم پر سرو پانی ہو بہے   جو چلے وہ قامت دلجو مرا
حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے   کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

ہائے نے درد سے ملا کیوں تھا   آگے آیا میرے کیا میرا
اگر شعر من میبود۔ اینچنیں میگفتم۔
مبتلا آتشک میں ہوں اب میں   آگے آیا میرے کیا میرا
پیش گرمی این مصرع خنکی آں شعر روشن است۔
لیا اُس گلبدن کا ہم نے بوسہ   تو کیا چوماں رقیبوں نے ہلا

شاید عمل کیا ہے رقیبوں کی بات پر   تب تو دلوں کا چور بکھرے ہی چھپا ہوا

نظر آتا تھا بگڑی سا لیا پر دہن شیریں کے ✤ سمجھا نا ہیں کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گردا

ان دنوں ہیں جو کچھ کرم تو اپھرتے ہیں رقیب ✤ پیٹ ہی ان کا بھرا کل پر سول فقر ہیں رقیب

وصفت آنکھوں کا لکھا ہم نے گل بادام پر ✤ کر کے نرگس کی قلم او چشم آہو کی دوات

چھین لیتے ہیں مرے دل کو نگاہوں کے بیچ ✤ حسن رہزن ہے یہ پنجاب کی اہولکا بیچ

ایک دن ہاتھ لگا یا تھا ترے دامن کو ✤ اب تلک سر ہی خجالت سے گریباں کے بیچ

گر عدو میری بدی کرتا ہی خاص و عام میں ✤ میں اُسے رسوا کرونگا باندھ کے دیوان بیچ

شعر خوبست۔ لیکن لطیفۂ متبدل شبہ است۔ کہ او در دیوان بادشاہی گفتہ بود بر روئے امیرے کہ نامش از خاطر رفتہ است۔ در دیوانِ صاحب رسوا شدم۔ صاحب ہم عزت خود در دیوان من خواہند دید۔

کوئی دیتا نہیں ہے دادِ بیداد ✤ کوئی سنتا نہیں ہے فریاد فریاد

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل ٭ بجا ہی معذرت لکھنا ہمیں کا غذ خطائی پہ

آج نرگس کا قلم کر کے سجن لکھتا ہوں ٭ وصف انکھوں کا ترے کاغذ بادامی پہ

جب سوں تری نظر پڑی ہے جھلک ٭ تب سوں لگتی نہیں پلک سے پلک

دیکھو طور اس دور کا حاتم نیں کی ترک شراب
یاد کر کر سبز رویاں کو وہ اب پیتا ہے بھنگ

در لفظ سبز رویان تامل کردن ضرور است۔ زیرا کہ آشنائے
گوش این باہیچدان نیست۔

خاص سجن کا ملنا بن سکے ہی عاشقوں کو ٭ گاڑھے رقیب سارے تیرے ہیں لا علمل

دلوں کی راہ خطرناک ہو گئی آیا ٭ کہ چند روز سے موقوف ہے سلام و پیام

مارا ہی سنگ دل میں دکھا مجکو رنگ سرخ
تعوید مجھ ہزار کا لازم ہے سنگ سرخ

یکرو

یکرو تخلص مردے بود، شاگردِ میاں آبرو، بر احوالش اطلاع ندارم مگر دو سہ مرتبہ در مجالسِ ریختہ دیدہ ام باآنکہ ہیچمدانِ فنِ ریختہ بود۔ ولیکن خود را خود ہمہ داں میشمرد۔ ازوست

دل پر مرے ہیں داغ ترے ہجر کے لئے
گننے میں جن کے عمر میری سب گزر گئی

میاں صلاح الدین عرف مکھن

پاک باز تخلص شخصے است گوشہ نشین شاگردِ میاں یکرنگ کہ احوالش نوشتہ آمد۔ بسیار کم اختلاط گویا آشنا شدن را نمیداند۔ پسرِ میاں شاہ کمال، نبیرۂ شاہ جلال قدس سرہ است۔ اکثر بورد و وظائف مشغول می باشد۔ در مجمع شاعران ریختہ بتاریخِ پانزدہم ہر ماہ قرار یافتہ است، اگر دماغ وفا میکند تشریف می آرد۔ مزاجش خالی از وحشت نیست ازوست

جلوے تمھارے حسن کے نت ہیں ہم کہاں ‏ تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم نہیں

مجھے دردِ الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

محمد اسمٰعیل

بیتاب تخلص، مرد درویشے بود، شاگردِ میاں یکرنگ بسیار مربوط مضبوط الاحوال۔ درین ایام بخانہ جعفر علیخاں میرفت کہ از پشت اسپ بر افتاد۔ و دستش شکست۔ بیماری دوسہ ماہ کشیدہ آخر از ہماں آزار مُرد۔ خدایش مغفرت بکند۔ با فقیر نیز آشنا بودند۔ از وست۔

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل ٭ تو کیا آرام سے رہتا مرا دل

تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں ٭ پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

انعام اللہ

یقین تخلص شاعرِ ریختہ صاحبِ دیوان، از ابسکہ اشتہار دارد

محتاج بہ تعریف و توصیف نیست۔ تربیت کردۂ مرزا مظہر است۔
پدرش اظہرالدین خاں نام دارد۔ باجدّش در سرہند ملاقات
کردہ بودم۔ بسیار آدم بامزہ یافتہ، بسلوک پیش آمدہ،
و ضیافتِ فقیر کردہ تا دیر نشستہ صحبتِ مستوفی داشتم۔ شعر
بطرز میگوید۔ آدم بہ سرِ مطلب۔ میاں یقین را مردماں میگفتند
کہ مرزا مظہر اُو را شعر گفتہ میدہد و وارثِ شعرائے ریختہ خود
گردانیدہ۔ از قبول کردنِ ایں معنیش بندہ را خندہ می آید،
کہ ہمہ چیز بوارث میرسد الّا شعر۔ مثلاً کسے بر شعر پدر خود
یا بر مضمونِ او متصرف شود، ہمہ کس اورا دزد خواہند
گفت۔ تا بشعرِ اُستاد چہ رسد۔ القصہ ہر دو پوچ چندے کہ
یافتہ است کہ ما و شما نیز میتوانم یافت۔ ایں قدر بر خود
چیدہ است، کہ رعونتِ فرعون پیشِ او پشت دست بر زمین
میگذارد۔ بعد از ملاقات اینقدر خود معلوم شد، کہ ذائقہ شعر
فہمی مطلق ندارد۔ شاید از ہمیں راہ مردماں گمانِ ناموزونیت
در حقِ او داشتہ باشند۔ جمعے بر ایں اتفاق دارند، کہ
شاعریِ او خالی از نقص نیست۔ چرا کہ شاعر ایں قسم
کم فہم نمیباشد۔ از شخصے منقول است کہ بخانۂ عظیمۃ اللہ خاں

کہ پسر نواب عنایت اللہ خاں مرحوم باشد یقین تخلص بود
و میگفت ، ازاں روزیکہ مرزا دست استادی در سرِ من
داشتہ است ، شعر من ترقی کردہ ۔ شخص مذکور ایں مصرع
نظامی پیش حضّارِ مجلس باواز بلند خواند ۔ مصرع، شد آں
مرغ کو خایہ زریں نہاد ۔ حاصل او را بیضہ در کلاہ شکست ۔
میاں شہاب الدین ثاقب کہ احوالِ او نوشتہ خواہد شد
نقل میکرد ۔ کہ من محض برائے امتحان بخانۂ او رفتم و یک
غزل طرح کردم ۔ من غزل بالفرام رسانیدم ، و ازو مصرعے
موزوں نشدہ اللہ اعلم ۔ میاں محمد حسین کلیم کہ احوالش گزشت ۔
قصیدہ گفتہ است ، مسمٰے بہ روضۃ الشعرا درو نام تمام شعرا را
نقل کردہ ، ازاں جملہ نامِ ایشاں را نیز آوردہ ، لیکن بکنایۂ
غریبے کہ سخن فہم می فہمد و آں اینست

یقین کے شعروں پر ہیں بدگماں بعضے کہ اسکے نہیں
غلط ہے ہم نے پوچھا ہیگا مرزا جانِ جاناں کو

نام مرزا جانِ جان است و شاعر جانِ جاناں لبستہ ۔ چوں
اکثر عوامِ نامِ مرزا از غلطی جانِ جاناں میگویند ، شاعر مذکور
نظر بر شہرت ہمچنیں موزوں کردہ ۔ اگرچہ نمے بایست کہ گفتگوے ما

با خواص است ۔ در بزرگ زادگی و شرافت میاں یقین سخنے نیست ۔ از خانوادہ بزرگیست ۔ با بندہ ہم آشنائی سرسری دارد ۔ از وست ۔

دل میں زاہد کے جو جنّت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

رُو اگر دیکھیے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں
آئنہ سے بھی گیا گیا دلِ حیراں میرا

یقیں اس کے دُرِ دنداں کی باتیں جو کیا چاہے
صدف کی طرح دھولے آبِ گوہر سے دہن اپنا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کے بند
برگِ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

اگرچہ اکثر شاعران ریختہ را متبدل بند یافتہ ام متبدل میگویند ، و تواردمی نامند ۔ گویا این شعرِ اُستاد در حقِ ایشان است ۔

ہر چہ گویند نے محل گویند ٭ در نوادر و غزل غزل گویند
لیکن شعرِ یقین لفظاً لفظاً متبدل رائے آنند رام مخلص است
کہ گذشت۔ طرفہ تر اینکہ آنہم در سلیقۂ سرقہ یکہ بودہ است۔
خدا داند کہ این معنی در اصل از کیست شعر این است۔
ناخن تمام گشت معطر چو برگِ گل ٭ بند قبائے کیست کہ وا میکنیم ما
از یقین است۔

آنکھ سے نکلے پر آنسو کا خدا حافظ یقین
گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہو گیا

یقین سوز و گداز اپنے کو گر اظہار میں کرتا
خدا شاہد ہے آتش کا بھی زہرہ آب ہو جاتا

اگر مرکز نہ ہیں اس شوخ کی خاطر نشان کرتا
خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں کرتا
زباں فولاد کی ہو جب جواب کوہکن دیوے
ستم ہوتا اگر پرویز کو عشق امتحاں کرتا

کہتے ہیں کہ تسخیرِ پری آئنہ کو آتی ہیں　　دل سے نہوا جو کام آئنہ سے کیا ہوگا

نہ دیتا عیش کی خسرو کو فرصت قصرِ شیریں میں
جو میں ہوتا تو جائے شیر جوئے خوں رواں کرتا

عاشق اور معشوق کی عالم سند کرتے ہیں سب
تجھے خونخواری کی طرز اور مجھے غم کھانیکی طرح

اب جو اڑ بیٹھیں قفس کے بام پر مقدور نہیں
حیف ہم سمجھے نہ بوجھی اپنے بال و پر کی قدر

کیا کروں مژگانِ تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بیطرح امنڈے ہیں یہ برسینگے زور
خال گورے مکھ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف　　خوش نہیں آتا نظر کرنا غزالاں کی طرف

اس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جام شراب   دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھکو   کیا عیش کر گیا ہے ظالم دیوانہ پن میں

اگر بجائے خوش نصیبی خوش معاشی بگفت ، این شعر بسیار بامزہ می شد۔

خوباں یقیں کو وعدہ ذرا جو رکھو کہ آسکے   لوہو نہیں جگر میں آنسو نہیں نین میں

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اس کو کہتے ہیں
پھر اٹھنا بیدماغوں کا قیامت اس کو کہتے ہیں

نہ گذرا ہوگا مجھسا کوئی رنگیں ولولے پن میں
گریباں آ پڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں

یقیں سے جلتے جلتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے
پڑا ہوگا دیوانہ سوختہ سا کنج گلخن میں

کرتا ہے کوئی یارو اس وقت پانو بیڑیں   مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں

وہ ناخن ابروئے خوباں سے خوشنما ہے + کسو کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

خواب میں کس طرح دیکھوں تجھکو بیخوابی کے ساتھ
جمع آسایش کہاں ہوتی ہے بیتابی کیساتھ
مفت نہیں لیتے وفا کو شہر خوباں میں یقین
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نادانی کیساتھ

زنجیر میں زلفوں کے پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے — برا برا نہیں شغل کچھ بھلا بھی ہے
اس اشک و آہ سے سودا اگر بجا و کہیں — یہ دل بھی آب رسیدہ ہے اور جلا بھی ہے
یہ کون وضع ہے سجن خاک میں ملانے کا — کسی کا دل کبھی پانوں تلے ملا بھی ہے

ایک پل بھی نہیں ٹھہرتا ہائے آنسو کیطرح — اس دل بیتاب کو کوئی تسلی کیا کرے
وصل کی گرمی سے مجکو ضعف آتا ہے یقیں — دیکھیے مجھ ساتھ خوبوں کے جدائی کیا کرے

اُس سمنی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے   جو بسا ہے اس مصرع موزوں کو تضمین کیجیے

مزے سے عشق کے دوزخ بھی اس فرقہ پہ جنّت ہے
خدا ہمکو کرے محشور امّت میں محبّت کے

نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں   میری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

دیوانہ ہوں میں اپنے جیب سے مجنوں کے سلیقہ کا
مزے لے لے کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے

یار اگر منظور ہے دنیا و عقبیٰ سے گزر   منزلِ مقصود ہے دونوں جہانوں کے پرے

مجھے یہ بات خوش آئے ہی ایک مجنونِ عریاں سے
کیا کیجیے کہاں تک چاک ہم گزرے گریباں سے

نقیر نیز یک شعر دارد قریب ہمیں معنی و باعتقاد خود مراتب
ازیں شعر بہتر میدا ند۔ اینست۔

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے   اب گریبان ہی سے ہاتھ اٹھایا ہم نے

از یقین است

نہ دے برباد خارِ آشیاں کو عندلیباں کے
صبا تو بھی ہوا خواہوں میں ہو آخر گلستاں کے

ٹک ایک انصاف کر کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

میاں شہاب الدین

ثاقب تخلص مردے درویشے است متوکل شاگرد میاں آبرو اکنوں شعر خود را پیش خانصاحب سراج الدین علی خاں می آرد۔ از چندے بوطن خود رفتہ، کہ از مضافات بارہہ است با فقیر آشنائی بسیار داشت۔ تحفۂ روزگار است۔ در ہمہ چیز دست دارد، وہیچ نمیداند۔ حاصل مردے خوبے است زندہ باشد۔ از وست۔

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نیں آکے پوچھا
یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازا

مخفی نماند کہ احوالِ یکے ازیں شاعرانِ سمتِ دکن کہ پُر پایہ رتبہ اند۔ مگر بعض چنانچہ ولیؔ و سیدؔ عبدالولی و سراجؔ و آزادؔ کہ معاصرِ ولی بود سررشتہ مربوط گوئی بدست ایشاں یافتہ نمیشود۔ باقی سرکلانہ داشت، حرف زدن ہمہ با کم است۔ لہذا بہ تخلص اکثر آنہا اکتفا کردہ نوشتہ آمد۔

ولی

شاعرِ ریختہ از خاکِ اورنگ آباد است۔ میگویند کہ در شاہجہان آباد دہلی ہم آمدہ بود۔ بخدمتِ میاں گلشن صاحب رفت۔ و از اشعارِ خود پارہ خواند۔ میاں صاحب فرمود، این ہمہ مضامینِ فارسی کہ بیکار افتادہ اند، در ریختہ خود بکار ببر، از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت۔ از کمالِ شہرت احتیاجِ تعریف ندارد۔ و احوالش کما ینبغی معلوم من نیست۔ از وست۔

نپوچھو عشق ہیں جوش و خروشِ دل کی ماہیت
برنگِ ابرِ دریا بار ہے رُومال عاشق کا

اُس کے قدم کی خاک میں صد حشر ہی نجات
عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کو

غرور حسن نے تجکو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر تجھ گھر ولی آوے

خبر داری سے اُس معشوق کے کوچہ میں جا اے دل
کہ اطراف حرم یاں ہے ہمیشہ ڈر حرامی کا

ای غنچہ کمر تو نخمہ یہ دل تکمہ ہے سخن کی کمتری کا

دل چھوڑ کے یار کیونکے جاوے زخمی ہے شکار کیونکے جاوے

دیکھ کر تجھ نگاہ کی شوخی ہوش عاشق سرم غزال ہوا

ادھر مجھ پاس کیا ہے دینے کو دیکھ کر تجکو رو ہی دیتا ہوں

کیا غم ہے اُس کو گرمیِ خورشیدِ حشر سے
بختِ سیاہ جس کے سر اوپر ہو سایباں

مت راہ دے رقیبِ سیہ رو کو ایک بار
ڈرتے ہزار یار بلا کے مہیب سے

دشمنِ دیں کا دین دشمن ہے راہزن کا چراغ رہزن ہے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اس کو کرتی ہے نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی

کہاں ہے آج یا رب جلوۂ مستانہ ساقی کہ دل بے تاب جی سے صبر بے خبر ہوش لیجا رے

عالم میں تجھ سے ہوش کی تعریف میں کی ہے ایسا تو نکر کام کہ مجھ پہ سخن آوے

سُن ولی ہے کو دنیا میں مقامِ عاشق کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

جلد چل تُک عشق کی رہ میں کہ تا پہنچے کہیں کاہلی کو رہ نہ دے سالک کہ منزل دور ہے

کھینچتا ہے یہ دل کو ہر جا گہ ٭ غم ترا روز سے مقدّر ہے

عجب کچھ لطف رکھتا ہی شبِ خلوت میں دلبر سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

کیونکہ سیری ہو حسن سے تیرے   دھوپ کھانے سے پیٹ بھرتا نہیں

ای جانِ ولی وعدہ دیدار کو اپنے   ڈرتا ہوں مُبادا کہ فراموش کرے تو

گناہوں کی سیہ نامی سے کیا غم اُس پریشاں کو
جسے وہ زلف دست آویز ہو روزِ قیامت میں

سید عبد الولی سلمہ اللہ

عُزلت تخلص از سورت اند، خلف الصدق حضرت سید سعد اللہ قدس سرہٗ، سورتے کہ مستنبد عالمگیر بودند درویش وضع عالم فاضل بزرگ متوکل مشق شعر فارسی ہم کردہ اند لیکن

مزاج اونشاں میلانِ ریختہ بسیار دارد۔ تازہ وارد ہندوستان که عبارت از شاہجہان آباد است شدہ اند، نسبتے تمام بسخن دارند۔ از اسالیبِ کلام شان واضح میگردد، که بہرہ بسیارے از دردمندی دارند۔ با ایں ہمہ کمال اینقدر وسعت مشرب بہم رسانیدہ اند که در ہر رنگ چوں آب ہا ئی آمیزند بافقیر چو ستمہا میکنند۔ مرد با استقامت اند خدا ایشانرا سلامت دارد از دوست۔

فقیروں سے نہ ہو بیرنگ لاالفصل ہولی ہیں
ترا جامہ گلابی ہے تو میرا خرقہ بھگوا ہے

جس خوش نگہہ کو بھول غفلت کی نیند لیوے
ہیں خفتہ بخت شب کا افسانہ ہو رہا ہوں

اُس کو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں ۔۔ کسی دشمن سیتی سنا ہوگا

عزلت گماں یوں تھا کہ جلکر ہوا ہے راکھ
پھر دودِ آہِ دل میں مرا دیدہ تر کیا

بندے ہیں تیری چھب کے مہ سے جمال والے
سب گل سے گال والے سنبل سے بال والے

اے بلبل اتنی رو کے دعا ہر سحر تو مانگ
حق تیری آہ سرو چمن کی ضیا کرے

نہ پوچھو یہ بگولہ ہے مرا ہم تول صحرا میں
یہ قبر حضرت مجنوں ہے ڈالو ڈول صحرا میں
بیاباں کے گلوں سے بوئے رنگ زرد آتی ہے
ارے بلبل چمن سے دل اُٹھا آ بول صحرا میں

نخلِ امید بیوفاؤں سے ٭ دل سلامت پھرے تو پھل پایا

صحیح اپنا مرض الفت کا جب میں عرض کرتا ہوں
جلے دل کی تشفّی کو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے

کیا کرم ہو دینا ہی جوابِ خنک اے یار ٭ تاب اپنے دمِ سرد کی نہیں لکھو ہمارے

چینِ ابروئے سجن ہیں میرا جیو اُلجھا ہے ٭ دل کھلے گر کبھی دونوں ہیں گرہ پڑ جائے

دل میں رندوں کے پھیلا ہوا عمامۂ شیخ ٭ یارب اس بزم سے یہ زہر کا ٹکڑا جاوے

سدھارے گل کہاں سونے پڑے ہیں گلستاں اپنے
گئی ہیں بلبلیں کیدھر جلا کر آشیاں اپنے

نہ پوچھو یہ کہ کیفِ چشم یہ سر مے نے گھیری ہے ٭ گریباں گیر ظالم کی سجن فریاد میری ہے

تجھ قبا پہ گلاب کا بوٹا ٭ دلِ بلبل گو یا ابھی ٹوٹا

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا ٭ سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

آزاد تخلص

ہمعصر ولی بود۔ بسیار بصفا حرف میزد ازوست۔

آئیں جہاں کی ساری آزاد صنعتیں۔ پہ
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

سراج تخلص

در اورنگ آباد شنیده میشود۔ شاگرد شاگرد سید حمزہ۔ ہمیں قدر از بیاض سید مسطور مستفاد میگردد۔ سخن او خالی از مزہ نسبت ازدست

تم پر فدا ہیں سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

پی بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات نہیں چاند ستاروں کی کیا کمی

نہیں ہے تاب مجھے سامنے ترے جاناں کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کوٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آجاوے

شعلہ خوجب سے نظر آتا نہیں + لوٹتا ہے تب سے انگاروں پہ دل

عجب وہ سرو گلزار ا داخوشقد ہوا قع ؞ پر بلبل نہال گل کو دست رد ہوا واقع

ہائے رہ گئی دل میں دامنگیریوں کی آرزو
سبزۂ تربت مرا ہے پنجہ گیرا ہنوز

نہیں حقیقت میں حسن وعشق جدا ؞ طوق قمری سے ہے طرۂ شمشاد

مدت سے گم ہوا دل بیگانہ ای سراج ؞ شاید کہ جا پڑا ہے کسی آشنا کے ہات

شکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا ؞ شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

نہیں ہوا اس شمع رو کے عشق میں داغ ایک سراج
ہیں وہ حسن آتشیں کے ایسے پروانے کئی

عارف علی خاں

عاجز تخلص - دہ دوازدہ سال شدہ باشد کہ در شاہجہان آباد

تشریف داشت۔ بندہ شورِ او شنیدہ بودم۔ از چندیں بسمتِ دکن رفتہ۔ اکنوں از زبان سید مذکور بوضوح می پیوند کہ در برہانپور است۔ دیگر بر حسب و نسبش اطلاع ندارم زبانش بزبانِ او باشان است۔ اکثر ریختہ در بحرِ کبت میگوید

از وست۔

مینہ کے برسنے کی یاد چلی ہے اب آنکھوں سے جان بن آنسو چلینگے
ورد کے نیساں کے گوہرِ غلطاں تو مٹی میں کنکروں سے آہ رُلینگے
تختِ جنوں مرا وحشی دیوانوں نے سر پر اُٹھائے ہیں شیخ۔ دل سے عاجز
اب میاں مجنوں بولوں کی مورچھلوں کو خرابی میں آپ ہی جھیلینگے

احمدی گجراتی

از وست۔

ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خود گذر نکلے
نپائی راہ دانش میں خروشاں نے خبر نکلے
نشانِ بے نشاں ہم ملک یکرنگی میں پاتے ہیں
خبر چھوڑی دوئی کی ہم نے جب سے ست نگر نکلے

پھرے دو نیں کے چھکلاں صبوری ساتھ نے توشہ
کمر ہمت سے باندھے ہو پرت کی باٹ پر نکلے

نین لے ہاتھ میں کھپرے پھریں درسن کی بھکیاں کو
نپائی ایک در پر بھی بھکاری در بدر نکلے
رہے نا در خیالاں میں ملے شوریدہ حالاں ہیں
ہوئے صاحب کمالاں ہیں کدھر سے آ کدھر نکلے

از قاسم مرزا است۔ او ہم ہمیں غزل گفتہ است۔ معلوم نیست کہ کجائی بود۔

گلے میں سر کی لٹ سیلی سوال ہے خال کا دانا
ہوئے جوگی تو کیا یاں واں جدھر نکلے تدھر نکلے

از شعوری جالاپوری است

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب

فضلی

فضلی راست، مثنوی ابنہم یک نظر دیدہ ام۔ شاعر خوبے نبود۔

رکھا ہوں نیم جاں جاناں تصدق تجھ پہ کرنے کو
کیا سب تن کو ہیں درپہ اجہوں زرس نپائے ہوں

صبائی احمد آبادی

ربط بین المصرعین این شعر سبحان اللہ عجیب ربط چسپانی است۔ کہ مطلق معلوم نمی شود۔ کہ چہ میگوید۔ و چہ ارادہ کردہ است۔ صبائی احمد آبادی ست۔

زر سے ہے آشنائی زر سے ملے ہر بھائی
زر نہیں تو ہے جدائی دنیا جو ہے سو زر ہے

محمود

محمود راست۔

لوگاں کہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں لیکن
جو کوئی پیا سے بچھڑا وہ سخت ہے زیادہ پتھر سے

محمود تجھ میں دستا پورا ہنر دناکا ⁘ ہر کیا عجب جو بھاوے تو پیو کو اس ہنر سے

سالک

از سالک است۔

پھروں بیہوش ہو کر میں برہنہ پا تدل تیری
یقیں پوچھوں تن پیارے کہ سالک کن بھایا ہے

ملک

ملک راست

تن من فدا کروں اُس ہشیار ساقی اوپر
یک قطرہ مے چکھا کر جن شہ نے خبر کیا ہے

لطفی

لطفی راست۔

تجھ عشق کی اگن سے شعلہ ہو جل اُٹھا جیو
دل موم کے نمونے کل کل پگھل گیا ہے
جیو کا جبن جلا سو جلتی انگار لیکر
اُکلا کے آگ دینے ٹیبسو جنگل گیا ہے
ہیں عشق کی گلی میں گھائل پڑا تھا اس پر
جوبن کا ماتا آ کر مجکو کھندل گیا ہے

فخری

جب دیکھوں میں تجھے تو چکا چوند لگ رہے
ہرگز کنہی نے نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب

ہاشم

دکھن ہور ہند کے دلبر ہمن سے بے حجاب اچھتے ٭ کہا ٹھرے چاندے پر جن کے خط پیچ و تاب اچھتے

ہاتفی

تیری انکھیاں ہور زلف سے کافر ہوا سارا جہاں
اسلام ہور تقوے کہاں زہد اور مسلمانی کدھر

اشرف

پیا پن میرے تئیں بیراگ بھایا ہی جو ہونی ہو سو ہو جاو
بھبوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہی جو ہونی ہو سو ہو جاوے

غوّاص

جو کوئی اس مزرعِ دل پر برہ کا بیج بوتا ہے
تو ہرگز اوس کے بستاں میں گلِ امید ہوتا ہے

خوشنودی

سب رین جاگے سحر تڑپ تو بھی سجن آیا نہیں ⁂ جب جب کے دیکھے باٹ میں قسمت کوں کھلایا نہیں

جعفر

غمزاں سوں دیکھو شوخ مجھے مار کر چلے ⁘ مجروح تس پر اُو نہیں ٹھہار کر چلے

عبدالرحیم

آیا فراق اب پیو کا سُدہ بدہ گنوا جنسوں کیا

جس باٹ وہ لیلیٰ گئی اُس باٹ مجھ جانا پڑا

عبداللہ

سجن کے ہجر کا تیرا جگر کے بیچ لاگا ہے ⁘ تڑپ کے کیونکہ اب طالع... جاگا ہے

عزیز اللہ

غزلے گفتہ است ، کہ تمام اولیا را ورد ذکر کردہ است

مقطع اینست۔

تجھ نوجواں ہیں کیا سکت بولوں جو ولیاں کی صفت

عاجز عزیز اللہ ہو پر دکھن کے سب پیران مدد

سعدی دکھنی

آنچہ بعض این را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطا است۔ ازوست۔

ہمنا تمن کو دل دیا تمنے لیا اور دکھ دیا

تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے

دو نین کے کھپر کروں رو رو نجوں دل بھروں

پیش سگ کوینت دھروں پیاسا نجانے میت ہے

سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ

در ریختہ دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

حسن

جب تی سفر پی نے کیا تب تی غریب آوارہ ہوں * پی بیگ تے آتا کریں یا مجلولین ملو اے کر

بیچارہ

پی سے جدا ہونا نہ تھا چاہا خدا کا یوں اتھا
جز صبر اب چارہ نہیں بیچارہ ہو رہنا پڑا

حسیب تخلص

احوالش معلوم نیست ، از بیاض سید صاحب مذکور نوشتہ شدہ۔

گلبدن پھول کے مت لڑکے ڈالی اڑے
دیکھ ابھی شور کریں بلبل و مالی لڑے

مرزا داؤد

داؤد تخلص میکند شاگرد سید صاحب است۔ اینقدرہم اززبان سید صاحب بتحقیق رسیدہ۔ اللہ اعلم۔ بارے مصرعی را درست موزوں میکند۔ از وست۔

زلفِ دلبر سے مجکو سودا ہے   خلق کہتی ہے تجکو سودا ہے

میر میر انصاب

کہ سید نوازشخاں خطاب دارد و سید تخلص اوست ہمیں قدر معلوم میشود۔

آہ گر باغ میں وہ سروِ خراماں گذرے ۰:۰ اشکِ قمری سے گلستاں میں طوفاں گذرے
یسکہ ہے آتشِ غم تیز درونے میں مرے ۰:۰ ناوکِ نازترا دل سے نہ سوزاں گذرے

میر عبد اللہ تجرد

سیّد عبدالولی میگویند، کہ شاگرد ملتفتا۔ از دست

تیجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورشید کیا ہے اُس کی فلک کو خبر نہیں

حکیم یونس

احوالِ اُو معلوم نیست، از بیاضِ سید صاحب نوشتہ شدہ۔

صبح جب گلشن سے وہ گلرو گیا ❊ باغ سے باہر نکل گلرو گیا
بے معطر اب تلک صحرا تمام ❊ اس زمیں اوپر کوئی گل بو گیا
سو گیا جنے جگایا تھا مجھے ❊ بخت میرا جاگ اٹھا تھا سو گیا

نواب خواجم قلیخاں

ہفت ہزاری صوبہ داری برہانپور است۔ از معتقدانِ سید صاحب است۔

موزوں نہیں راہ عشق میں پھر اب قدم رکھا

میر محمد باقر حزیں

میر محمد باقر حزیں تخلص شاعرِ ریختہ است۔ صاحبِ دیوان از نصیریان مرزا جانجاں مظہر شنیدہ میشود کہ بہ بنگالہ رفت دیگر احوالش تحقیق نمی گردد۔ از وست۔

اُس بے وفا کے عشق میں کچھ مجکو جس نہیں
پانوں تلک بھی ہائے میری دسترس نہیں

محمد علی حشمت

از شاگردانِ غنی بیگ قبول است اکثر بر شعرہائے
مردمان اعتراضات بیجا میکرد۔ و جوابِ با صواب می یافت۔
در شعر ریختہ کہ بسیار پاجیانہ میگفت، گپہا دارد۔ حاصل
عجب ہنگامہ پردازے بود۔ ورین ایام ہیچ روئے ہم بہم
نمی رسد۔ ہمراہِ قطب الدین خاں در جنگِ رُوہلہ کشتہ شد
اوستادِ عبدالحیّ تابان بود۔ خدایش بیا مرزد۔ از وست۔

جب آ خزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل ✤ تب عندلیب رو کے پکاری کہ ہائے گل

خط نہیں ترا حسن سب اُوڑا یا ✤ یہ سبز قدم کہاں سے آیا

میر عبدالحیّ تابان

نوجوان بامزہ بود۔ سید نجیب الطرفین، مولدِ او شاہجہان آباد است
بسیار خوش فکر و خوبصورت خوش خلق پاکیزہ سیرت معشوق
عاشق مزاج۔ تاحال در فرقۂ شعرا ہیچ او شاعرِ خوش ظاہر

از مکمّن بطونِ عدم بعرصۂ ظهور جلوه‌گر نشده بود۔ زبانِ رنگینش پاکیزه تراز برگ گل گلستان سخن را نازک دماغ بلبل۔ مستمع رنگینیٔ فکرش با گلگونِ بادِ بهار طایق النعل بالنعل است۔ هرچندِ عرصۂ سخنِ او همیں در لفظهائے گل و بلبل تمام است۔ امّا بسیار رنگین میگفت۔ از دیدنِ رنگ و آتش بے اختیار از دهنِ من گلِ کمالش سرمیزد۔ نسبت بشعر او استادِ اورا رتبۂ شاگردیِ او نبود۔ بافقیر یک صفائی داشت۔ از چندے بسبب کم اختلاطیِ ایں هیچمدان کدورتے بمیاں آمده بود۔ اجالش مهلت نداد، که تلافیش کرده آید۔ آخر آخرکه اوائل جوانی او بود، ایں قدر مداومتِ شراب کرده که ملاقاتِ همه یاران موقوف شد۔ اکثرے از دوستانش که بخانۂ او میرفتند، اورا مست طافح می‌یافتند۔ و آب بردنِ ایں تاجرارا به بیند که هشت هفت روز ودلیعتِ حیات سپردنِ او باقی ماند۔ یک مرتبه توبه کرده بهمه آشنایانِ خود رقعها نوشته که عزیزانِ من توبه کرده‌ام شما شاهد و خبرگیرانِ من باشید چراکه ضرر بسبب کثرتِ استعمال مزاجِ من شده بود از گذاشتنِ این از خود گرشتنِ من پر نزدیک می نماید۔ غافل از احوالِ من بودن از عقل بعیداً

دور است۔ آخرالامر ہماں شد کہ گفتہ بود۔ حاصل آفتابِ تابانِ عمرِ اُو زود بلبِ بام رسید۔ معشوق عجیبے از دستِ روزگار رفت۔ افسوس افسوس افسوس۔ امید قولیست کہ حق تعالےٰ مغفرتش کردہ باشد۔ از دوست۔

ہے سوزِ عشق یہاں تئیں مجھ میں کہ بعدِ مرگ
پروانہ مرغِ روح ہو شمعِ مزار کا

قد حلقۂ کماں اسی حسرت میں ہوگیا + تیر ہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

اخگر کو چھپا رکھے ہیں ہیں دیکھ کے سمجھا + تاباں تو نہ خاک بھی جلتا ہی ہیگا

پاس تو سوتا ہی چنچل پر گلے لگتا نہیں + منتیں کرتے ہی ساری رات ہو جاتی ہی صبح
جیو میں آوے سو کہہ تو تاباں کو + لئیں من فیک شیتمنا بہ قبیح

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

لگ رہی ہیں ترے عاشق کی جو آنکھیں چھت سے
تجکو دیکھا ہے مگر اُن نے لبِ بام کہیں

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیونکر ؛ بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

بال اپنے کھولتا ہی جب تو ای خورشید رو ؛ چاند سے منھ پر ترے اُس وقت لگ جاتا ہی ابر

آتا ہے فاتحہ کو گلرو رقیب ساتھ ؛ لاتا ہے خار قبر پہ میرے بجائے گل

آشنا تو تو مجھے ایسا ہے جیسا چاہیے ؛ پر جو کچھ دل چاہتا ہی ہائے وہ ہوتا نہیں

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوں ؛ باراں ہوا اور ہوا ہو سبزہ لب جو اور ہم ہوں
ایمان و دین تا بآں مطلب نہیں ہے ہم کو ؛ ساقی ہو اور مے ہو دنیا ہو اور ہم ہوں

ملا یا خاک میں گھر کو مکاں کا ہائے خسرو نیں ؛ یہ کیا بات آ لگی اُس خانماں آباد کے دل میں

جفا تو چاہیے ای شوخ تجھ پہ یہاں تک کر ؛ کہ سب کہیں مجھے رحمت تیری وفا کے تئیں

دیکھنا ان ماہرویوں کا تو اے تاباں نہ چھوڑ
چاہتا ہے گر ہمیشہ نور بینائی کے تئیں

میرے ہم مشربوں میں آ تاباں ۔ ریختے ہوگئے حضرتِ رمضاں

جوں برگِ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے
کیا ہو کہ برگِ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے
محفل کے بیچ سن کے میرے سوزِ دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں تباں تاباں جوں شمع زباں میری
یہاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہ گاری

سفیدی جو آئے ہے ڈاڑھی میں تیری ۔ سمجھ شیخ یہ تار و پودِ کفن ہے

شیخ جو حج کو چلا چڑھ کے گدھے پر یارو
زور نہیں ظلم نہیں عقل کی کوتاہی ہے

رکھتا تھا ایک جیب سو تیرے غم میں جا چکا ؛ آخر تو مجکو خاک میں ظالم ملا چکا

دیتا نہیں ہے ساقی اس ابر میں پیالہ ؛ آتا ہے مجکو تاباں بے اختیار رونا

گلی میں اپنی روتا دیکھ مجکو وہ لگا کہنے ؛ کہ کچھ حاصل نہیں ہے کیا ساری عمر رو بیٹھا

تو بال کھول نہایا تھا ایک دن اشک ؛ ہر ایک موج کو ہے پیچ و تاب دریا میں

ہر ایک کو جستجو تیروں کا اپنے تو قندیل ؛ کھلائیو نہ میرے استخواں ہما کے تئیں

بہے اشک از بسکہ آنکھوں سے میری ؛ لب جو ہوا ہے کنار گریباں

ہاتھ بیفائدہ زنداں میں نہ دوڑا مجنوں ؛ طوق ہی تیرے گلے بیچ ہے گریباں تو نہیں

خوانِ فلک پہ نعمتِ الوان ہے کہاں ؛ خالی ہیں مہر و ماہ کی دونوں رکابیاں

مرتے ہیں آرزو سے اس وقت آن پہنچو ؛ ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے آکے جان پہنچو

میں گورِ غریباں پہ جاکر جو دیکھا ❖ بجز نقش پا لوحِ تربت نہیں ہے

نہ پالی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم ❖ وہ ایکدم ہی ترے رو برو ہوا سو ہوا

آرزو ہی رہی یہ دانۂ تاک ❖ قطرۂ مے کبھو نہ ہو ٹپکا

مرنے کے سے تو نہیں کچھ مرے آثار ہنوز ❖ رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

کیا ہیں فرض کہ محشر کے تئیں مجھے بخشیں ❖ جو تو نہ ہووے تو فردوس بھی جہنم ہے

تیرے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے ❖ تجھے بے مروت محبت کہاں ہے
بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی ❖ مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے
مری گور پر لوگ رکھتے ہیں گل کو ❖ تری دلربائی کی عزت کہاں ہے

میرا جواب نامہ یہاں لکھ چکے پر اتنا ❖ قاصد پھرا نہ لیکر وہاں سے جواب نامہ

گئے نالے ترے برباد مانند جرس چپ ہو ❖ اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے لیں چپ ہو

تیری ابرو سے نہ چھوٹے گا مرا دل ہرگز گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

تو جو پی اس قدر ظالم کہ تجھکو کیف کم ہووے ترا بیہوش ہوجانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

بتاں کے شہر ناپرساں میں کوئی کب داد کو پہنچے
مگر واں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

قیامت مجھ پہ کل کی رات اس کے ہجر نیں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی بیخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجکو خمار شب کا صبح ہوئی شیشہ میں جو کچھ کہ رہے ہے باقی ساقی

محمد یار خاکسار

خاکسار تخلص عرف کلو شخصے است خادم درگاہ قدم شریف حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم شعر ریختہ میگوید۔ و خود را دور میکشد۔ و بسیار سفلگی میکند۔ بلکہ از ننگ آبی بنائے ریختہ را

باب رسانیدہ - چنانچہ علی الرغم این تذکرہ نوشتہ است، بنامِ معشوقِ چہل سالۂ خود - احوالِ خود را اُول از ہمہ نگاشتہ، و خطابِ خود سید الشعرا پیشِ خود قرار دادہ - آتشِ کینہ کہ شاید سبب افروختہ است، چوں کباب بومید ہد، انتقام لیے من ریسمان می تابد، کہ گوئی پسر رسن تاب است - محمد معشوق کنبوہ کہ مروے است نائب میر بحر بسیار گرمجوش و یارباش چوں شنید کہ خاکسار کلّو ہم نام دارد بداہتہً گفتہ (مصرع)

کتّا ہے دربار کا کُلّو اُس کا نام

چوں کلّو اکثر نام سگہا میگذارند لطف بہم رسانید - ہرکہ دمِ لائبہ او دیدہ است میداند - فخرِ او ہمہ بر ریختہ است طرفہ اینکہ آں ہم نا مربوط و خود او ہم نادرست - تقلیدِ مرزا جان جاناں مظہر در ہر امر میکند - اگر کسے تکلیف شعر کند گوید کہ وقتے بیمار بودم، آہ آہِ من ایں رنگ داشت - سبحان اللہ مردمان ایں را شعر می نامند - بابا من شعر نمیگویم - و با ایں برادرانِ یوسف کہ با شاعران باشیم بربطے ... الغرض بسیار کم فرصت و بے تہ است ایں چند شعرے کہ بنامِ او نوشتہ مے آید، از فیضِ سخن است، از وے نیست -

دل شیفتہ ہو کے کیا کیا نہیں ٭ ای خانہ خراب کیا کیا نہیں

تیری زلف سیہ سے ای پیارے ٭ مجکو یکسر ہزار سودا ہے

خاکسار اُس کی تو آنکھوں کے کہے مت لگیو
مجکو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

بر ملتبع این فن پوشیدہ نیست ا کہ بجائے بیمار کیا گرفتار کیا میبایست ۔

تیغ قاتل سے ہوئے محروم نا تقصیر ہم ٭ روز محشر کے اٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر ٭ یہ کہ تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہی حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں ٭ آہ جوں شمع ہی راحت مجھے مرجانے میں
خاکسار عاشق میخوار کو تقوے سے نہیں کیا ٭ ابھی دیکھا تھا میں اُس رند کو میخانے میں

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے ٭ مجھے دادخواہی کی طاقت کہاں ہے

واسطے تن کے جابل سے لبوے گل کو ÷ گھر ترے خانہ خرابوں سے جو بنیاد کرے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی ÷ اس خانماں خراب کو چنگا خدا کرے

عشوہ و ناز کو ترے پیارے ÷ یہ ترا خاکسار جانے ہے

شانہ آہستہ کیجیو حجّام ÷ مار اُس زلف کا رگِ جاں ہی

محمد فقیہ دردمند

ہرچند کہ یک ملاقات با او کردہ ام لیکن خوبیا از احوالش مطلع نیستم۔ این قدر دانم کہ نظر یافتہ مرزا مظہر مسطور است۔ و اشعار او ہم بگوش فقیر نرسیدہ۔ گر چند بیت ساقی کہ در مدح ممدوح خود گفتہ۔

کرے کیوں نہ مشکل دو عالم کی حل ÷ کہ جس کا ید اللہ ہی بازو بل

کوئی آج اُس کی برابر نہیں ÷ وہ سب کچھ ہی اِلّا پیمبر نہیں

کدام محمد علیخانے داشت ۔ در صفت او گوید ۔

پڑی اس کی خوبی کی از بسکہ دھوم ؛ لیا ہاتھ قدرت کا صانع نے چوم

در شروعِ ساقی نامہ گوید ۔

ای ساقی ای جانِ فصلِ بہار ؛ یہی تھا ہمارا و تیرا قرار

ہمارے بسرنے کی یہ فصل نہیں ؛ فراموش کرنے کی یہ فصل نہیں

در قسمیہ میگوید ۔

تجھے وعدہ کر بھول جانے کی سوں ؛ تجھے اپنی سوگند کھانے کی سوں

در فخریہ گفتہ ۔

تیری جان کی سوں غنیمت ہوں میں ؛ سلیقوں میں ظالم قیامت ہوں میں

مرا عقل میں کون انباز ہے ؛ ارسطو مرا ایک دواساز ہے

فلک چرخ مارے گا گر صد ہزار ؛ نہ لاوے گا مجھسا کوئی روزگار

در استیاق گوید ۔

نہ یہ می نہ یہ باغ رہ جائے گا ؛ یہی ملنے کا داغ رہ جائے گا

خواجہ برہان الدین

عاصمی تخلص بشاعرِ ریختہ و مرثیہ ہم خوب میگوید ۔ وضعے

معقولے دارد۔ در شمشیر شناسے دست تامے است، متوطن شاہجہان آباد در بہادرپورہ سکونت دارد۔ و مزاجش مائل لطیفہ گوئی بسیار است۔ در علم تاریخ مہارتے خوب پیدا کردہ۔ از مغتنمات روزگار است، اگرچہ روزگار با او مساعدت نمیکند ازوست۔

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتایا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا واں گل تھا

رات کو میں شمع کی مانند رو کر رہ گیا ٭ صبح کو دیکھا تو تن من اشک ہو کر بہہ گیا

میاں حسن علی

شوق تخلص از شاہجہان آباد است۔ سپاہی پیشہ شاعر ریختہ شاگرد خانصاحب سراج الدین علی خان بندہ را بخدمت او ربط کلیست۔ اکثر اتفاق ملاقات می افتد۔ ازوست۔

قاصد پھرا نہ وہاں سے جواب تک تو آچکا
القصہ اُس گلی میں گیا جو سو جا چکا
اے یاس مجھکو کام اجابت سے کیا رہا
وقتی کہ جب دعا ہی سے میں ہاتھ اُٹھا چکا

اگر قاصد ترے کوچہ سے ٹک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جیو ہی جاوے گا

میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ہوں
لب زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں
عبور بحر دنیا میں سبکساری سے کرتا ہوں
حباب آسا شمار دم سے بے کشتی گذرتا ہوں

سراپا آرسی ہو دیدۂ بیدار پر تو بھی ∴ تیری اس چشم خواب آلودہ آگے ہو نہیں سکتی

مدت سے یہ بحث درمیاں ہے + پر علم نہیں کمر کہاں ہے

دکھا دیدار ای پیارے کہیں فرقت سے مر گزرا
مری فردا ئے محشر آج ہی ہیں کل سے در گزرا
کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا شاد ہم جاتے
برنگِ شبنم ایک عالم یہاں سے چشم تر گزرا

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں ⁘ تربت پہ میری شمع کا ہنسنا بھی کم نہیں
تلوار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مر چکے ⁘ پیاسے ہو کس کے خون کے ہم میں تو دم نہیں

آچکا خط بھی پہ تیرا ابتک نیا ایک ناز ہی ⁘ ہو چکی آخر بہار اور اب تلک آغاز ہی

خبر لے شوق کی ظالم تیری فرقت سے مرتا ہی
بالا ئے تلوار ہی اُس پر جو کوئی دم گزرتا ہی

بجھے گی آتشِ دل ہم نے جانا تھا گھٹا آئی ⁘ ہوائے ابر میں دونی لے یہ آگ بھڑکائے

بجز مروڑ کے عاشق سے کچھ خیال نہیں
ہم اُس کی زلف کو جانا تری سودائی

کیا کیا ستم نہ تجھ سے جو کئے چشم یار نیں ۔ جو سختیاں کہیں مجھکو زمانہ دکھا چکا

آج ہی ملو تو بہتر ہو عادہ غلط ہی کل کا ۔ جوں طفل اشک ہیں ہم مہماں کوئی پل کا

رسوا

شخصے بود ہندو حالا قید مذہب نداشت۔ پیش ازیں در توپخانہ نوکری کرد۔ از چندے ترک روزگار گرفتہ آوارہ دشت گمراہی شدہ۔ وضع ساختہ داشت۔ اکثر کہ در اثنائے راہ دیدہ شدہ است۔ مست گذارہ یافتہ ام۔ پیشتر عاشق طفل ہندوئے بود۔ او از قضا مرد۔ عاشقی او بہوس مبدل گشت۔ ازبسکہ شراب میخورد و حالات مستی خود بمردمان مینمود، دریں پردہ عالمے را باب میراند و بسر میبرد۔ عریانی را لباس خود مقرر کردہ میگشت۔ آخر در ہماں برہنگی جامہ گذاشت۔ از وست۔

قفس سے ووں گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اِس دیوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھایئے

ہر گلی میں گر پڑیں ہیں مست ہو دیوار و در
ابرِ رحمت برستا ہی یا برسنی ہی شراب

آرام تو کہاں کہ ٹک ایک سو کے چپ رہیں
آنسو بھی نہیں رہے کہ بھلا رو کے چپ رہیں

محمد قایم

متخلص بقایم جوانے است، خیرہ وطیرہ و حسن پرست، نوکر پیشہ۔ مدتے داخلِ جرگۂ میاں خواجہ میر صاحب ماند۔ الحال با مرزا رفیع محشور است۔ با فقیر نیز آشنا است۔ از وست۔

دریا ہی پھر تو نام ہی ہر ایک حباب کا
اُٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا

کیوں چھوڑتے ہو دُرد تہہِ جام میکشو
ذرّہ ہی یہ بھی آخر اُسی آفتاب کا

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا — آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
جا ہی نا تم کو نت مرے دل ہیں — اس نگر سے وہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم — کیا کروں پر رہا نہیں جاتا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہی پیغام کسی کا — پر دیکھیو لینا نہ کبھو نام کسی کا

الٰہی واقعی اتنا ہی بد ہی فسق و فجور — پر اس مزہ کو سمجھتا جو تو بشر ہوتا

بناوے کوئی عمارت سو کیس توقع پر — پڑا ہی قصر فریدوں بن آدمی سونا

نیک و بد جو تجھے کرنا ہی سو کر لے قائم — پھیر امید نہیں ہی کہ جواں ہووے گا

کو نوحہ گر کہ خاک پہ میری ہو گرم شور — تھا ایک چراغ گور سو وہ بھی خموش تھا

ہم سے لے بال و پر اب جائیں کدھر ای صبا — کاش تین نے یہ کیا ہوتا کہ آزاد کیا

یکدگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا ہی — تجکو خواہندہ بہت مجکو طرحدار بہت

بھلا ای ابرِ مژگاں ابتو بس کر ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر
بہارِ عمر ہی قایم کوئی دن اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

دامن نہ کھینچ خاک سے میری ای شعلہ خو پڑنے قرار ہوں ہوں پا سوختن ہنوز

ای محنت آزمائے عاشق تب خوش ہو کہ مر ہی جائے ناحق

ہمارے درد کے تئیں پی کب بیدرد پوچھیں ہیں
ہم اپنے جیو سے ناچار ہیں انھو کو عیش سوجھیں ہیں

رد کے ہی کون تیغ مری عشق نہیں کہا بولا ادھر سے داغِ جگر لے سپر کہ ہم

نہ دل بھرا ہی نہ اب نم رہا ہی آنکھوں میں
کبھی جو روتے تھے خوں جم رہا ہی آنکھوں میں
موافقت کی بہت شہریوں سے میں لیکن
وہی غزال ابھی رم رہا ہی آنکھوں میں
وہ محو ہوں کہ مثالِ حباب آئینہ

جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

صحرا اگر جنوں مجھے لاوے عتاب میں　　کھینچوں ہر ایک خار کو پائے حباب میں

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کر دل
غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کر دل

کھلتی ہی چشم دید کو تیری پہ چوں حباب　　اپنے تئیں بن آپ نہ آیا نظر کہیں
اے دل برنگِ غنچہ نہ دل گرخوں سے تو　　اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

دل تو کہے سنے سے سمجھتا کبھی ہے کوئی　　جو کچھ کہو سو دیدہ خانہ خراب کو

میں رہگذر میں پڑا ہوں برنگِ نقشِ قدم　　تیں چھوڑا کس کے بھروسے یہ کارواں مجکو

قطعہ

یارو کیوں کہتے ہو بیمار نہ مجھ سے جاؤ　　اتنی کہتے ہو مجھے اتنی اسے سمجھاؤ
وہ نہیں تو کہ تجھے غم ہو کسی عاشق کا　　یا کوئی بد نصیبوں سنتی - یا مر جاؤ

سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہی کہ کہاں سُنتے ہو

ہیں کہا خلق تمھاری جو کمر کہتے ہیں
تم بھی کچھ اُس کا کہیں ذکرو بیاں سُنتے ہو

ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہی یہ بات
ہووے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سُنتے ہو

راہ پہ پڑے اُسے رکھتا ہوں اگر کھیر کبھو   ہنس کے کہتا ہی مجھے کام ہی اب کھیر کبھو

جو ہیں پہلیں تھیں جو کچھ سو تو گئیں یار کے ساتھ
سر پٹکنا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھ
میں دیوانہ ہوں صدا کا مجھے مت قید کرو
جیو نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

موقوف شغل گریہ میری چشم اگر کرے   اتنا رہے نہ آب کہ لب کوئی تر کرے
پہلے ہی سوجھتی تھی ہمیں اے شب فراق   یہ رات بے طرح ہی خدا ہی سحر کرے

تجھسے لگیں نہیں انکھیں پھنسا مفت میں یہ دل
تقصیر تھی کسو کی گرفتار ہو کوئی

دہن کو تیرے پایا بات کہتے ہماری جز رسی میں کیا سخن ہے

نہ لگا دل کو اُس کی مژگاں سے اپنے حق میں تو کانٹے مت بووے
اُٹھاوے ستم یا جفا کو کوئی بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے
میں جاتا ہوں کعبہ سے اب دیر کو بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے

نہ مرنے دیتے ہم قائم کو لیکن خداوندی سے کچھ چارا نہیں ہے

یارب کوئی اُس چشم کا بیمار نہووے دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہووے

یہ دل وہ جنس ہے کہ دیا گر کہیں اُسے دھڑکا یہی رہا کہ نہ دے بازپس مجھے

مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے جو گزرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے

بھٹکا پھروں ہوں یہاں میں اکیلا ہر ایک سمت
ای ہمرہانِ پیشِ قدم تم کدھر گئے
جو لُٹ چکا ہی جور فروشوں کے ہاتھ سے
دل دیکھنے کو لیکے جو ظالم مکر گئے
افغان و آہ کشتۂ بیداد کیا کرے
جو قتل ہو چکا ہو سو فریاد کیا کرے

رباعی

کیا ستم ہیں دنیا کے یہ سب اہلِ نعیم — بیقدر کریں ہم کو جو دیکر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجے سجدہ — محراب جو خم نہو برائے تعظیم

فضلِ علی

دانا تخلص مردیست نوکر پیشہ، وارستہ، لطیفہ گو شاگردِ سیاں مضمون تلاشِ لفظ تازہ بسیار میکند۔ اصلِ او از شاہجہان آباد است۔ اتفاقاً در موسم ہولی تاریخ پانزدہم کہ مجلسِ خانۂ فقیر مقرر است واقع شد۔ سیاں دانا نیز تشریف داشت

لیکن بہ لباسِ عجیبے، یک تانی سیاہ بہ برکردہ کہ دامنش تا بزانو بود۔ چوں رنگِ ذاتِ شریف و ریش از حد زیادہ ہر دو سیاہ بود۔ مرزا رفیع کہ سابق گذشت بمجرد مشاہدہ کردنِ او گفت کہ یارو ہولی کا ریچھ آیا کہ بزبانِ فارسی خرسا ہولی میتواں گفت۔ چوں در ہندوستان رسمیست کہ دریں روزہا، اراجیف و اطفال وغیرہ ہم خرس و بوزنہ و اسپ و شتر برائے خوشی ہمدیگر میسازند۔ ایں لطیفہ بسیار بموقع افتاد، بلکہ صورت گرفت۔ القصہ دانا عجب کسے است گاہ گاہ با فقیر نیز ملاقات میکند۔ از وست۔

ہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا ٭ یہی توحید ہیں مصرع سرِ دیوان ہے میرا

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا ٭ یوسفِ مصر مگر تو ہی ہے اے یارِ عزیز

نچاٹے خون کو جس روح زمیرے اُسکے فاقہ ہے ٭ رگِ گردن سے میرے اُسکے خنجر کو علاقہ ہے

اسد یار خاں

انسان تخلص میکرد و شعر ریختہ نیز میگفت در عصر محمد شاہ بادشاہ

کہ اکنوں بہ فردوس آرامگاہ ملقب است۔ بامارت رسید بسیار بکرّ وفر معاش میکرد۔ از اکبرآباد بود۔ بسبب ناسازی روزگار کہ باکس نمی سازد۔ و نخواہد ساخت زود فوت شد از دست۔

ندکھی ایک جھلک بھی آپ کے تن بیچ اندھوں نیں
اگرچہ سر بن موسے بدن سارا شبکا ہے
زمیں اور آسماں اور مہر و مہ سب تجھیں ہیں النسا ل
نظر بھر دیکھ مشتِ خاک میں کیا کیا جھمکا ہے

محمد عارف

عارف تخلص متصل دہلی دروازہ میباشد۔ شاگرد میاں مضمون است۔ از بسکہ تلاشِ لفظِ تازہ میکند۔ بعد از سالے و ماہے بیتے ازو موزوں میشود۔ شعرِ او خالی از لطف نیست با فقیر نیز آشنا است۔

دخترِ رز کو کہہ کہ اُس سے ملے
ورنہ عارف افیم کھاوے گا

ہزاروں معنیِ باریک آویں دل میں ای عارف
اگر زلفِ سیہ کا پیچ اُس کے مُنھ پہ کھلجاوے

میاں ہدایت اللہ

ہدایت تخلص، از دہلی است۔ ریختہ را بطرز میگوید از یارانِ خواجہ میر صاحب است۔ اگرچہ او در ظاہر بعجز و انکسار پیش می آید۔ امّا کمیتِ خامہ اُو در عرصۂ میدانِ سخن بال بستہ راہ میرود۔ بندہ از وضعِ او بسیار محظوظم۔ از وست۔

شہیدِ تیغِ ابرو ہی اسیرِ دامِ گیسو ہی ہدایت بھی تو کوئی زورہی شُہدا کستا ہی

یاد آتے ہی زلف کی ہی تُہر پھر گئی جیو پہ سانپ کی سی لہر

تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات روتے ہی گذری آہ ساری رات

حیرت میں ہوں کہ تیرے تئیں ای شبِ فراق
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

قطعہ بند

بھلا تباؤ مری جان کچھ بدایت نہیں ❊ تمھارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا
مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھی ❊ کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

تجھ بن ای خونخوار یہاں ہر دم دم شمشیر ہے ❊ سانس جب پلٹے ہے گویا بازگشتی تیر ہے

بیدار

بیدار تخلص جوانے است ، از یاران مرزا مرتضیٰ قلی بیگ فراق مصرع ریختہ درست موزوں میکند۔ و مرزا مرتضیٰ قلی شاعر مربوط فارسی است۔ اکثر در صحبتہا با فقیر بگرمی پیش می آید۔ از بیدار است۔

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو
کیا تجھ لب ہیں ہمرنگ خجالت لعل و مرجاں کو

میاں نجم الدین علی

سلام تخلص، مولدِ او اکبرآباد است۔ خلف میاں شرف الدین علیخاں پیام کہ احوالِ او نگاشتہ شد۔ چوں یار باش و مخاطب صحیح حقیقت، جمعیت لیاقت شخصیت آدمیت حرمت عظمت ہمہ دارد۔ فقیر را با او از تہِ دل اخلاص است۔ چنانچہ اکثر اوقات اتفاق باہم فکر شعر کردن و گپ زدن و مزاح نمودن می افتد۔ جوانے خوب است۔ خدا زندہ دارد۔ از وست۔

حدیثِ زلف چشمِ یار سے پوچھ
درازی رات کی بیمار سے پوچھ

بتیا ہو قسم ہی تمھیں میرے صبر کی ٭ مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

لالہ ٹیک چند بہار

لالہ ٹیک چند بہار تخلص مردِ مستعد لیست۔ از یاران سراج الدین

صاحبِ تصانیفِ بسیار۔ دماغِ تفصیل ندارم بریمن رنگین بہارِ سخن از لفظ لفظش ہزار ہزار رنگِ معنی گل میکند۔ بافقیر ہم آشنا است۔

وہی اک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلےٰ کا قیس
یہ عجب منظر ہے جس کے مبتلا ہیں مرد و زن

باعتقاد بندہ بجائے اشارتِ قریبہ و کلمۂ استعجاب کہ اول مصرعِ دوم بکار بردہ است۔ اگر حسن کیا میگفت۔ ایں شعر واضح تر میشد۔ فافہم

سحر یا معجز ہے یہ سچ کیوں نہیں کہتا بہار دم ترا جذبِ اسم سے زور کرتا ہے کرے

ہیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں کیا مغفرت کم ہے

سبھی کرتے ہیں دعوے خوں کا قسمت ہی تو دیکھیں گے
صف محشر میں ہو گا کس کے دامن ہاتھ قاتل کا

ہمیں اعظؔ ڈراتا کیوں ہی دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہیں کچھ مغفرت کم ہی

ناز و استغنا عتاب اعظؔ اصل سب جانکاہ ہیں
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ دل کو ہو نشاط

نہیں معلوم کیا حکمت ہی شیخ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خراباتی کیا تجھ کو مناجاتی

محبت کے قلمرو میں جو جاوے گا تو دیکھے گا
کوئی آرے تلے چیرا کسی کو کوہ پر ٹپکا

میر عبدالرسول نثار

از یارانِ فقیر مولف است۔ چنانچہ شعر بمشورت من میگوید۔ سید نجیب جوانِ سعادتمند، اصلش اکبرآباد است۔ در عصر فرخ سیر بادشاہ کہ ہنگامہ نیکو سیر در اکبرآباد گرم شدہ بود۔

بزرگانِ ایں باقتدار بسر میبردند۔ بسیار آراستہ پیراستہ سنجیدہ فہمیدہ فقیر از وضع او بسیار محظوظ است۔ از وست

جو ہی یعقوب یوسف دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اپنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہی ڈھنگ تجھ بن
مُنھ سے اُڑا ہی گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن
ہر سمت صد تمنا تڑپیں ہیں خاک و خوں میں
ہی صحن خانہ میرا میدانِ جنگ تجھ بن
یہاں گل رکھے پھرے ہی دستار پر تو اپنی
وہاں عاشقوں کے سر پر پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

اکثر ہیں دلفگار ولیکن نہ اس قدر ٭ کتنے ہیں بیقرار ولیکن نہ اس قدر
ہیں وہ ہوں جس کے زخم سے گل ہیں کیا جگر ٭ ٹکڑے جگر ہزار ولیکن نہ اس قدر

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کے نکلجا دینگے ہم ٭ یہ گریباں دامنِ صحرا کو دکھلاوینگے ہم

یہ عزم کس مریض پہ ہے خشم کس پہ شوخ
ایک میں ہوں مضطرب سو تو نبض طپیدہ ہوں
قاصد تو مقتضا نہیں غیرت کا خط لئے
مشتاق پرفشانیٔ رنگ پریدہ ہوں
طوفانِ خلق ہووے گا اشکِ ستم زدہ
ایسا نہووے یار کہ میں آب دیدہ ہوں

میر حسن

متخلص بحسن جوانِ اہلبیت، نوکرپیشہ اکثر در بندہ خانہ بتقریب مجلس تشریف می آرد۔ وضع مرد آدمیانہ دارد مشقِ شعر از مرزا رفیع میکند۔ از وست۔

لگتا ہی آج مجکو یہ سارا جہاں خراب
شاید کہ مرگیا ہی کوئی خانماں خراب

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑ دیو ٭ خنجر تو ایک دم کے لئے منھ نہ موڑ دیو

جعفر علی خانِ زکی

مرد عمدہ روزگار ایست، متوطنِ دہلی۔ محمد شاہ بر او فرمایشِ مثنوی حقہ کردہ بود۔ دو سہ شعر موزوں کرد۔ دیگر سرانجام ازو نیافت۔ اکنوں شیخ محمد حاتم کہ نوشتہ آمد باتمام رسانید و آں مثنوی خالی از مزہ نیست۔ پنج چار سال پیش ازیں خانۂ جعفر علی خاں مجمعِ یارانِ ریختہ مقرر بود۔ خدا داند چہ واقع شد۔ کہ برہم خورد۔ شعرِ ریختہ را جستہ جستہ میگوید۔ انچہ ازو اشعار شنیدہ شدہ، نوشتہ شدہ۔ از وست

چمکتے دانت دیکھے یار کے ریخیں جاتے ہیں
جڑی ہیں گپتاں الماس کی نیلم کے خانے ہیں

از مثنویِ اوست در منقبت گفتہ

قضا کے راج کی صنعت گری دیکھ ٭ نبی کے آل کی بارہ دری دیکھ

نبی کی آل پر مجھ وار جانا ٭ اسی بارہ پلی سے پار جانا

در تعریف عشق و آبلہ پا میگوید۔

برہ کی راہ کے گوہر پھپولے ٭ کہ کانٹے باٹ میں جاتے ہیں تولے

میاں صلاح الدین تمکین

تمکین تخلص، جوانے بے تمکینے نہ متمکن۔ باصطلاح یاراں شوخ طبع مرد لیست درویش وضع بکسے کار ندارد۔ بہر طوریکہ باشند بسر میبرد۔ از دوست۔

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجکو دیوانہ کیا تجھکو پریزاد کیا

میاں جگن

خالہ زادہ شیر افگن خان حال است۔ دعوےٰ شاگردی فقیر میکند بارے سرسخن دارد خدائش زندہ دارد۔

اس دل مریضِ عشق کو آزار ہی بھلا ؛ چنگا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہی بھلا

محمد امان اللہ غریب

غریب تخلص یادش بخیر یک آشنائے بامزہ داشتم۔ بسیار خوش ظاہر بود۔

زبانش لکنت داشت۔ ازیں سبب گاہے الکن ہم تخلص
می آورد۔ چوں اکثر در باغات متعلقہ میرفت۔ بندہ اورا
ارنڈ باغاتی میگفتم بسبب پریشانیِ روزگار قریب دو سال ہست
کہ بسمتِ بنگالہ رفت۔

تیری بغل ہی ہیں دل پُر داغ ہی غریب
حسرت چمن کی کاہیکو یہ باغ ہی غریب

محمد محسن سلمہ اللہ

مُحسن تخلص میکند۔ برادرزادۂ فقیر مولف است۔ ذہنش
بسیار مناسب و سلیقہ اش خیلے درست معلوم میشود۔ مصرع
ریختہ بمشورت من موزوں میکند۔ سنش نام خدا تا بہ بیست
سالگی رسیدہ باشد۔ خوب خواہد گفت انشاء اللہ۔ از وست۔

یوسفِ مصر پہنچتا ہی کوئی تجھسے دلبر عزیز دلہا کو

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ ۔ زندہ کرتا ہی نام عیسےٰ کا

دوڑے گئے وہ کوہ کن و قیس کے جو تھے

میرے جنوں کا اب تو زمانہ میں شور ہی

محسن تمام عمر مجھے روتے ہی کٹی

اس غم کدہ میں آہ کہیں بھی سرور ہی

مرا رنگِ رو اس قدر زرد ہی ؛ کہ یہاں زعفران زار بھی گرد ہی

طپش تشنہ لب تڑپے ہی غا لیا ؛ دھڑلکے کا دل میں مرے درد ہی

اگر شیخ دوزخ میں گرمی ہی زور ؛ مرے پاس بھی ایک دم سرد ہی

بہتوں کا عاشقی میں یہاں کال ہوگیا ہے

ای دل ابھی سے تیرا یہ حال ہوگیا ہے

ٹک راہ پر تو آؤ اب سیر کو کہ محسن

مانندِ نقشِ پا کے پامال ہوگیا ہے

تعزیت دارِ حسرتِ دل ہے ؛ یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہے

دلِ پُر آبلہ مرا محسن ؛ رشکِ آئینۂ حبابی ہے

اُس کے کوچہ میں ہی کچھ نالہ شب کا چرچا
دیکھیو کوئی میاں میرا تو مذکور نہیں
طبعِ نازک کو مرے ہاتھ ہی میں رکھیو کہ میں
قیس و فرہاد سا دہقانی و مزدور نہیں

تنک ابروؤں سے عاشق اُلٹ گئے ٭ تجھے تلوار سے اے شوخ جس ہے

کیا جانئے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں
ہم کو تو تن بدن کی بھی اپنے خبر نہیں
اُس دشت پر خطر کا میں باشندہ ہوں جہاں
آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گزر نہیں
دل دینے پر ہو جیو تو کر و خانماں خراب
یہ عاشقی ہے شیخ جیو خالا کا گھر نہیں

مر گیا پوچھی نہ پر تم نے مری رحمتِ دل
جیو کی جیو میں ہی رہی ہائے مری حسرتِ دل
مجھ تہیدست کنے کیا تھا کوئی دن آگے

داغ بیسے سے جو ہاتوں پہ ہیں سب دولت دل
کیا حساب اتنی جفاؤن کا میں جیو میں کھینچوں
میں گرفتار بلا میں جو ہوا بابت دل

اے دیدہ خاندان تو اپنا ڈبو چکا ٭ اب رو رہا ہے کیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا
محسن نہ روؤں میں تو بھلا کہہ کیا کروں ٭ ایک دل بساط میں تھا میں اس کو بھی کھو چکا

دل مرا وابستۂ زنجیر زلف یار ہے ٭ ہے تو دیوانہ پر اپنے کام کو ہشیار ہے
اور یہ عاجز تمہارا کچھ نہیں رکھتا مگر ٭ جان بر لب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے

ٹک آکے دیکھ نہیں کچھ بھی حال آنکھوں میں
پھرے ہے اس پہ بھی تیرا خیال آنکھوں میں
نہ پوچھ دختر رز کی تو مجھ سے کیفیت
لیے ہی جاتی ہے دل یہ چھنال آنکھوں میں

جاں بلب ہوں میں نکل جائے نہ یہ چال کہیں
دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے آ! مال کہیں

کب تلک نزع کی حالت میں رہوں میں تجھ بن
ہو بھی اے عمر دنِ دشوار اب آساں کہیں

جس دن تری گلی سے میں عزمِ سفر کیا ؛ ہر ایک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا
بُت خانے کی شکست و درستی کعبے ؛ یہ سب کیا پہ شیخ نیں دل میں نہ گھر کیا

رباعی

جب تخمِ محبت ہم نے دل میں بویا ؛ دین و دنیا سے ہاتھ اپنا دھویا
اس عشق میں ہوئے خانہ ویراں اب ؛ دونوں عالم سے ان نے ہم کو کھویا

میاں ضیاالدین

ضیا تخلص متوطن دہلی جوانے است مہذب، محبوب، متواضع
با فقیر ربطی بسیار دارد۔ ازوست۔

جنت کا مت دو مژدہ مجھ خاک میں رلے کو ؛ آرام وہاں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو

گریبان و خاک اڑاتا جوں ابر جوں بگولا
صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا

بندراین

راقم تخلص از شاہجہان آباد است۔ مشق شعر از مرزا رفیع میکند۔ قبل ازیں بافقیر نیز مشورت شعر میکرد۔ بابندہ بسبب میاں ابراہیم کہ جوانے است، مربوط و مضبوط آشنا شدہ بود۔ و میاں ابراہیم از بسکہ با ما شاعران آشنا است، گوئی کہ ہم سلیقہ است۔ راقم مرقوم و محمد قایم کہ احوالش گزشت ہر دو ہم طرح از راقم است۔

یہاں تک قبولِ خاطر کیجے تری جفا کو ؎ تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

ایں معنی را در دیوانِ میر عبدالحی تاباں مرحوم، بہ تغیر ردیف ہمیں الفاظ مطالعہ کردہ ام۔ ظنِ غالب آنست کہ ایں شعر از تاباں مذکور است۔ چراکہ او از مدت مشقِ سخن میکرد۔ و ایں نو مشق است۔ اللہ اعلم۔

دل کنجِ قفس میں کر تو یاد بہت رویا ؎ ہنسنے کے تئیں گل کے کر یاد بہت پایا

ابر تیرے چشمِ گریاں کم نہیں ؎ موج دریا ہی شکنجِ آستیں

مژگاں سے دل بچے تو ٹکرے کرے ہے ابرو
یہ کہہ کے میں نیں اُس سے جب دل کی داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض
مجکو قسم ہے چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں
اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب
آپس میں درد دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

کس کے گلے کے قطرۂ خوں ہیں یہ زمیں ÷ جوں تکمہ اُگتے ہیں گُل اورنگ تا تلک

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب ÷ یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے

دیکھا نہ ہو جسے میں کوئی سبزہ زمیں نہیں ÷ پر تخم دل ہو سبز جہاں کہیں نہیں
سُنتے تھے ہم جہان میں اہل کرم کا ہاتھ ÷ آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں

مری بدشرابیوں سے کریں توبہ میگساران ؛ رہے وہ عمل کہ ہووے سببِ نجاتِ یاران

سُنا کِسنے حال میرا کہ جوں ابر وہ نہ رویا ؛ رکھے ہی مگر یہ قصہ اثرِ دعائے باراں

بیچوں ہوں میں اُس پاس یہ دل نیم نگہ کو ؛ اس پر بھی ستم ہی جو خریدار نہ ہووے

ای عشق۔ مجھے کوئی طرح مار ؛ تا یار کہے کہ ہائے عاشق

کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں ؛ کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں
کہنا تھا کون یہ کہ خوشی ہی جہاں کے بیچ ؛ اُس بات کا تو یہاں کہیں مذکور ہی نہیں

سُنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہی جگ میں دوام صُبح
ہوگی کبھی ای چرخ ہماری بھی شام صُبح

معصیت میری بہت ہی کہ تیری بخشش بیش
اپنی رحمت پہ نظر کر مرے عصیاں کو نہ دیکھ

صبا کب تو چھوڑے گا مجکو قفس سے آہ ❊ کھٹکے ہی میرے دل میں بہت خار خار باغ

رونے میں اس قدر تو جگر اے جگر نہ کر ❊ دیکھا نہ تو نے کچھ کہ دل و دیدہ کیا ہوئے

نامہ کا میرے اُس سے لیکر جواب پھرنا ❊ پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا
ایک وے بھی دن تھے یارب جو تھا ہمیں میسّر ❊ گلشن میں ساتھ اُسکے پیتے شراب پھرنا

کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے ❊ اُڑا دیتے ہیں اُس کی بات ہنسکر
جو چاہے گوہرِ مقصود اے دل ❊ صدف کی طرح تو پاسِ نفس کر

میاں کمترین

مرد لیست وارستہ، مزاجش میلانِ ہزل بسیار دارد۔ موافق استعداد خود میگوید۔ بندہ شعرِ معقولِ او نشنیدہ ام۔ گاہ گاہ در مجلس مُراختہ کہ ایں لفظ بوزنِ مُشاعرہ تراشیدہ اند ملاقات میشود۔ از شہر آشوب اوست۔

تو خصم رگن کر مشلجن نہیں کئے ❊ تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن گئے

پلاؤ اس مست نفرانی کو تاڑی + اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈوں سے راتوں میں
تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر کے راتوں میں

دیکھو پکوان والی کی مزاخیں + خصم کے روبرو دیتی ہے شاخیں

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین تمھارے + کے بیر ہم کو دوگے نازک بدن پیارے

قدر تخلص

شخصے است وارستہ از قید مذہب و ملت برجستہ او باش وضع۔ زبانِ او بزبانِ لوطیان می ماند۔ گاہے در کوچہ و بازار شہر بنظر می آید احوالِ او کما حقہ معلوم فقیر نیست ازوست۔

آئے ہم تو رہ جاؤ سجن رات کی رات لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

میر علی نقی

مرد سپاہیست، سپاہی پیشہ کافر تخلص میکند۔ در شعرے کہ تخلص می آرد، کافر ٹھکہ می نامد۔ چنانچہ اکثر در مجلس گفتہ میخواند، کہ صاحب دریں ایام یک کافر ٹھکہ موزوں شدہ است در ایام گزشتہ دو سہ ماہ خانہ خود مجلس ریختہ مقرر کردہ بود آخراز وضع او یا نشانہ او برہم خورد۔ در بزرگ زادگی او شبہ نیست۔ با فقیر ربطے دلی دارد۔ ازوست۔

کس کس طرح بتوں کی صورت نیں رنگ بگڑے
کافر ان انکھڑیوں نیں دیکھے ہیں کیا جھگڑے

عاجز تخلص

شخصے لوطی است۔ پر و پوچ چندے باختہ، نظر کردہ میاں کمترین اکثر در مشاعرہ حافظ حلیم کہ مردیست بسیار گرم جوش و چسپاں اختلاط۔ حافظ اکثر شعرہائے خوب استادان دیدہ و شنیدہ است۔ و حافظ حلیم شعر بطور بو اسحاق اطعمہ

میگوید۔ گاہے مصرعے خوب ہم از و سر میزند۔ چنانچہ مصرع حضرت حافظ قدس سرہ العزیز را تضمین کردہ است۔ بطرزے کہ خود میگوید۔

صبا بلطف بگو آں بخیل بابا را ٭ کہ سر بکوہ و بیابان تو دادۂ مارا

و باجاجز بں عاجز ترین خلایق چنداں ربطے ندارد۔ از وست۔

دل بلبل مارے لئے جاتے ہیں سب کتب کے طفل
شیخ سعدی تم بھی اب لیکر گلستاں دوڑیو

میر گھاسی

جوانے است فہمیدہ در مغل پورہ می باشد۔ تخلص از راہ اظہار قصورِ فہم در غزل نمی آرد بامن ہم آشناست۔ از وست

تو ہوا در باغ ہو اور نہ زمزمہ کرنا بلبل تیری آواز سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

عشاق

شخصے است کھتری شعر ریختہ بسیار نا مربوط میگوید بطیفہ شعرا

از تخلصش پیداست۔ اکنوں در مجمعِ یاران ہم نمی آید کہ مردہ است۔ ایّاٗ کہ خانۂ میاںصاحب میاں خواجہ میر مجلس ریختہ می شد، بنظر می آمد۔ و رتبہ داریِ ایں شعر کہ نوشتہ می شود، از فیض سخن است۔ از وست۔

خط سے زیادہ اور ہوا حسن یار کا ٭ آخر خزاں نیں کچھ نہ اکھاڑا بہار کا

محمد میر

میر تخلص جوانے است بسیار اہل خوش طبع۔ ہر چند طرزِ علیحدہ دارد لیکن از خوش کردنِ تخلص من نصف دلم ازو خوش است۔ از وست۔

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محبوب ہوا ٭ اپنے چہرے سے بگڑنا ہی کہیوں خوب ہوا

بسمل تخلص

پیش از نوشتن ایں مزخرافات آوازۂ او شنیدہ بودم باز معلوم نشد کہ کجائی بود و کجا رفت از وست۔

ٹھوپی رہ گیا بسمل وگرنہ ؛ ملاتا اپنے تئیں وہ خاک وخس میں

شاغل

شاغل تخلص جوانے بود بلکہ گاہے گاہے مصرعے موزوں میکرد۔ شاگرد بسمل مسطور میگفت۔ پیش بندہ ہم دو سہ مرتبہ آمدہ۔ اکنوں بنظر نمی آید۔ ازوست۔

جاتی نہیں ہے اُس سے تری فکر زلف ورخ
شاغل کو روز وشب ہے تیرا فکر زلف رُخ

دلاورخاں

پیش ازیں ہمرنگ تخلص میکرد۔ حالا بیرنگ خوش کردہ۔ میاں یکرنگ است، مصرعے درست موزوں میکند۔ ازوست۔

یار کا جب خیال آتا ہے ؛ ہوش میرا تمام جاتا ہے

دل کو تجھ عشق سے قرار نہیں ؛ اب تلک تجکو اعتبار نہیں

نہیں مطلب مجھے کچھ باغبان اور ٭ دیوانہ ہوں میں گل کے رنگ و بو کا
سدا بیدار رہ غفلت سے ہوشں ٭ مثل مشہور ہی سویا سو چوکا

ہی ہاتھ ترا خون سے عاشق کے گرآلود ٭ مہندی سے سجن مت کر یار وگرآلود
مفلس کی خبر کب ہی اے سیم بدن تجکو ٭ افشان سے ترا ماتھا رہتا ہی زرآلودہ
فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی ٭ شیریں کا جو ایک بوسہ ملتا شکرآلود
خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا ٭ کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
میں تو لکھتا تھا اُس کو خط نیرنگ ٭ اُس تغافل شعار نے نہ پڑھا

قدرت اللہ

قدرت تخلص اگرچہ عاجز سخن است۔ لیکن برائے خاطرِ میر عارت کہ از یارانِ درست فقیر است نوشتہ شد۔

قاصد شتاب جاکے خبر لا تو یار کی ٭ حالت بنٹھ بُری ہی دلِ بیقرار کی

میر عزت اللہ بیدل

مردے سیدے بود، عاشقِ سخن۔ اکثر منقبت میگفت۔

در زمانِ محمد شاہ بادشاہ بنظر می آید۔ ایں ہم از زبانِ میر عارف بہ تحقیق رسیدہ۔ ازوست۔

تو گلِ باغِ انّما کی قسم ؛ سروِ گلزارِ ہل اتیٰ کی قسم
میرِ میدانِ لا فتا کی قسم ؛ میں تو عاشق ہوں مرتضیٰ کی قسم
شاعروں میں نہ میں خیالی ہوں ؛ والہ و مست ہوں ولا کی قسم

میر محمد تقی میر

فقیر حقیر میر محمد تقی میر مولفِ ایں نسخہ متوطن اکبرآباد است بسبب گردشِ لیل و نہار از چندے در شاہجہان آباد است۔

میر کے قابل ہے دل صد پارہ اُس نخچیر کا ؛ جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوستہ پیکاں تیر کا
جو ترے کوچہ میں آیا پھر نہیں گاڑھا اُسے ؛ تشنۂ خوں میں تو ہوں اس خاک دامنگیر کا
کس طرح سے مانیے یارو کہ یہ عاشق نہیں ؛ رنگ اُڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

شب درد و غم سے عرصہ مرے جی پہ تنگ تھا ؛ آیا شبِ فراق تھی یا روزِ جنگ تھا
مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا ؛ جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا — تو ہمسایہ کوئی کیونکہ سوتا رہے گا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے — ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

عیدِ آئندہ تک رہے گا گلا — ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا — عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
ہونا نہ چار چشم دل اُس ظلم پیشہ سے — ہشیار زینہار خبردار دیکھنا

تجھ سے ہر آن میرے پاس کا آنا ہی گیا — کیا گلا کیجے غرض اب وہ زمانہ ہی گیا
ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئے نسیم — عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا
جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن — نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانا ہی گیا

بھری تھی آگ سی جگر و دل میں میر ایسی تو — کہ کہتے ہی سجن کے روبرو قاصد کا منہ آیا

کفِ جاناں سے ممکن نہیں رہائی میر کوئی ہووے — اچنبھا ہے جو اس کے ہاتھ سے رنگِ حنا چھوٹا

اب وہ جگر طپش سے تڑپتا ہے تشنہ لب — مدت تلک جو میر کا لوہو پیا کیا

دل میں بھرا ز بسکہ خیالِ شراب تھا　　مانند آئنہ کے مرے گھر میں آب تھا
ٹک دیکھ آنکھیں کھول کے اُس دم کی حسرتیں　　جس دم یہ سُوجھے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا

جو اے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا
تو کہیو جب چلا ہوں میں تو اُس کا دم نکلتا تھا
نہ گی تسبیح اس کی نزع میں بھی میر سے ہرگز
اُسی کے نام کی سُمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا

مُغاں مجھ مست بن پھر خندہ قلقل نہ ہووے گا
مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

ابتو جاتا ہی ہے کعبہ کو تو بُت خانے سے　　جلد پھر پہنچے ای میر خدا کو سونپا

ترے عشق سے آگے سودا ہوا تھا　　پر اتنا بھی ظالم نہ رسوا ہوا تھا
خزاں الفت اُس پہ نہ کرنی بجا تھی　　یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا

کہاں آتے میسر مجکو تجھ سے خود نما اتنے　　بحُسنِ اتفاق آئینہ تیرے روبرو ٹوٹا

طراوت تھی چمن میں گویا اشکِ قمری سے　　ادھر آنکھیں مندی اُس کی کہ اُدھر آبِ جو کھوٹا

شبِ زخمِ سینہ اوپر چھڑکا تھا میں نمک کو　　ناسور تو کہاں تھا ظالم بڑا مزا تھا

آنکھیں کھلیں جب جیو میر کا گیا تب　　دیکھے سے تجکو ورنہ میرا بھی جیو چلا تھا

ہم نے کہا تھا تیرے تئیں او سمجھ نہ ظلم کر　　آخر کار رتلے وفا جیو ہی گیا نہ میر کا

تا بو خزاں سے ضعف کا گلشن میں بچ گیا　　دوش ہوا پہ رنگِ گل یاسمن گیا
برگشتہ بخت دیکھ کہ قاصد سفر میں ہے　　پہنچا تھا اُس کے پاس سو میر وطن گیا

مر گیا تب پہ سنگسار کیا　　نخلِ ماتم مرا یہ پھل لا یا :

دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکوں میں　　مجھ سے ادھر تو بت پھرے اُدھر خدا پھرا

جبکہ تابوت مرا جائے شہادت سے اُٹھا
شعلہ آہ دلِ گرم محبت سے اُٹھا

عمر گزری مجھے بیمار ہی رہتے ہی مجبا
دل عزیزوں کا اگر میری عیادت سے اٹھا

یک پارہ جیب کا بھی بجا میں نہیں سیا
وحشت میں کوئی سیا کوئیں کا کہیں سیا

دل پہنچا ہلاکت کو نپٹ کھینچ کسالا
ای یار مرے سلمہ اللہ تعالیٰ

جس گھر میں ترے جلوے سے ہو چاندنی کا فرش
واں چادرِ مہتاب ہی مکڑی کا سا جالا

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث
برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا
ایک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا

افسوس میرے مردہ پر اتنا نہ کر کہ اب
پچھتانا عبث ہی جو ہونا تھا ہو چکا

ایک چشمکِ پیالہ ہے ساقی بہارِ عمر
جھپکی لگی کہ دور یہ آخر ہی ہو چکا

ہر صبح حادثہ سے یہ کہتا ہی آسمان
دے جامِ خون میر کو گر منہ وہ دھو چکا

میں بھی دنیا میں ہوں اک نالہ پریشاں یکجا
دل کے سو ٹکڑے میرے اور سبھی نالاں یکجا

سر سے باندھا ہی کفن عشق میں تیرے یعنی
جمع ہم نے بھی کیا ہی سر و ساماں یکجا

گزرا بنا سے چرخ سے نالہ پگاہ کا　　خانہ خراب ہو جیو اس جیو کی چاہ کا
آنکھوں میں جیو مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں　　مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا
یک قطرہ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا　　قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفراں پناہ کا
ظالم زمیں سے لوٹتا دامن سنبھال کے چل　　ہوگا کمیں میں ہاتھ کسی دادخواہ کا

کیا طرح ہو آشنا گاہے گاہے نا آشنا　　یا تو بیگانہ ہی رہیے ہو جیے یا آشنا
پائمالِ صد جفا ناحق نہ ہو اے عندلیب　　سبزۂ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا
بلبلیں دیکھے یوں کہتی تھیں ہوتا کاشکے　　یک مژہ رنگِ قراری اس چمن کا آشنا
گو گل و لالہ کہاں سنبل سمن اور نسترن　　خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا

کیا دن تھے وے کہ یہاں بھی دلِ آرمیدہ تھا　　رو آشیان طایرِ رنگِ پریدہ تھا
قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا　　بیچارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا
حاصل نہ پوچھ باغِ شہادت کا بوالہوس　　یہاں پھل ہر ایک درخت کا حلقِ بریدہ تھا
مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی　　ہر نالہ میری جان کو تیغِ کشیدہ تھا

خواہ مجھ سے لڑ گیا اب خواہ اُس سے مل گیا
کیا کہوں اے ہم نشیں میں تجھ سے حاصل دل گیا

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا کھب گئی جیو میں تیری بانکی ادا
خاک میں مل کے میر اب سمجھے بے ادائی تھی آسماں کی ادا

سنو ہو جل ہی بجھوں گا کہ ہو رہا ہوں میں
چراغ مضطرب الحال صبح گاہی کا

گرچہ سردار مزوں کا ہے امیری کا مزا چھوڑ لذات کو اور لے تو فقیری کا مزا
اے کہ آزاد ہے ٹک چکھ نمک مرغ کباب تا تو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب

مت ڈھلک مژگاں سے میرے اے سرشک آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

دیکھ خورشید تجھ کو اے محبوب عرق شرم میں گیا ہے ڈوب
میر شاعر بھی زور کوئی تھا دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

دستِ صبا تلک بھی ہیں نہ پہنچا جاتا ۞ بیقراری نہیں لیا مجکو نہ دام بہت

سہل ہو جہیں تجھے دشوار یاں عاشق کی آہ   حشر ہیں کتنی گرہ تھیں مری ایک جان کے بیچ
حال گلزار زمانہ کا ہے مانا بشفق   رنگ کچھ اور ہی ہو جائے ہے اک آن کے بیچ
تاک کی چھاؤں میں جوں مست پڑے سوتے ہو   اینڈتی ہیں نگہیں سایۂ مژگاں کے بیچ

نکلے گی میری قبر سے آواز میرے بعد ۞ ابھریں گے دل سے عشق ترے راز میرے بعد
بن گل ہوائے آہ میں تو جا کے لوٹیو ۞ صحنِ چمن میں اے پر پرواز میرے بعد

میرے سنگِ مزار پر فرہاد ۞ رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد

ادھر تلک ہی عرش کے مشکل ہے ٹک گزر
ای آہ پھر اثر تو ہے برچھی کی چوٹ پر

ہم تو اسیرِ کنجِ قفس ہو کے مر چلے   ای اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر

پاس رہنے کا نہیں ایک بھی تار آخرکار   ہاتھ سے جائے گا سر رشتۂ کار آخرکار

نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی ای جرس بہتر　　نہیں اس قافلہ میں اہلِ دل ضبطِ نفس بہتر
نہ ہونا ہی بھلا تھا مثل مجھ چشمِ گریاں کے　　نظر ای ابرِ آب ہی نم آودگی برس بہتر

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار　　ای انتظار تجھ کو کسی کا ہو انتظار
ساقی تو ایک بار تو توبہ توڑا میری　　توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

کر رحم ٹک کب لگ ستم مجھ پر جفا کا راس قدر
ایک سینہ خنجر سیکڑوں ایک جان آزار اس قدر
بھاگے مری صورت سے وہ عاشق میں اسکی شکل پر
میں اُس کا خواہاں یہاں تلک وہ مجھسے بیزار اس قدر

قطعہ

دل دماغ اور جگر یہ سب ایکبار　　کام آئے فراق میں اے یار
کیوں نہ ہو فتح ضعف اعضا پر　　مر گئے اس فتون کے سردار

مجکو پوچھا بھی نہ یہ کون ہی غمناک ہنوز　　ہو چکی حشر میں وتا ہوں تہ خاک ہنوز
اشک کی لغزشِ مستانہ پہ مت کیجو نظر　　دامنِ دیدہ گریاں ہی مرا پاک ہنوز

باقی نہیں ہی دل ہیں یہ غم ہی بجا ہنوز — ٹپکے ہے خون دمبدم آنکھوں سے تا ہنوز
احوال نامہ بر سے مرا سُن کے کہ اُٹھا — جلتا ہی وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز

بارہا چل چکی تلوار تیری چال پہ شوخ — تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز
منتظر قتل کے وعدہ کا ہوں اپنے یعنی — جیتا مرنے کو رہا ہی یہ گنہگار ہنوز

ای ابر تر تو اور کسی سمت کو برس — اس ملک میں ہماری ہیں یہ چشم تر ہی بس
حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا — ایک برگ گل گرا نہ جہاں تھا بر قفس

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس! — آہ افسوس صد ہزار افسوس!
یوں گنواتا ہی دل کوئی مجکو — یہی آتا ہی بار بار افسوس

آج کل کا ہمکو بتلانے ہو گستاخی معاف — راستی یہ ہی کہ وعدے ہیں تمھارے سب خلاف
پانو پر سے اپنے میرا سر اُٹھانے مت مجھکو — تیغ باندھی ہی میاں تم نے کمر میں خوش غلاف

سب پہ روشن ہی کہ شب مجلس میں جل جاتی ہی شمع — تجھ بھبھوکے سے کو بیٹھا دیکھ بجھ جاتی ہی شمع

بالیں پہ میرے گھر سے تو آوے گا جب تلک — کر جاوں گا سفر ہی میں دنیا سے تب تلک
اتنا دن اور دل سے تپش کر لے کاوشیں — یہ مجملہ تمام ہی ہے آج شب تلک
نقاش کیونکہ کھینچ چکا تو شبیہ یار — کھینچوں ہوں ایک ناز ہی اس کے بدن تلک

فصلِ خزاں میں سیر کی ہم نے بھی جا کے گل — چھائی چمن کی خاک نہ تھا نقشِ پائے گل
اللہ رے عندلیب کی آوازِ دل خراش — جیوں ہی نکل گیا جو کہا اُن نے ہائے گل

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفائے بلبل — یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

بھلا تم نقدِ دل لیکر ہمیں دشمن گنوا بیٹھو — کبھی کچھ ہم بھی کر لینگے حسابِ دوستانِ دل

کیا بلبل اسیر ہیں تو بے بال و پر کہ ہم — گل کب رکھے ہے ٹکڑے جگر اس قدر کہ ہم
جیتے ہیں تو دکھاوینگے دعوے عندلیب — گل بن خزاں میں اب کے وہ رہتی ہے مر کہ ہم

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم — لیک لاگ چلنے کو بلا ہیں ہم
آستاں پہ ترے گذر گئی عمر — اسی دروازہ کے گدا ہیں ہم
تیرے کوچہ میں تا بمرگ رکھا — کشتۂ منتِ وفا ہیں ہم

ہم چشم ہی ہر آبلہ پا کا ہی مرا اشک	ازبسکہ تیری راہ میں آنکھوں سے چلا ہوں
دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستمگر	ہوں خاک بسر راہ کوئی دم میں ہوا ہوں
آتے ہیں مجھے خوب یہ دونوں ہنر عشق	رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں
گر ٹک ہو درد آئینہ کو چرخ زشت ہیں	ان صورتوں کو صرف کرے خاک خشت میں

تو گلی میں اس کی جا آوے اے صبا نہ چنداں
کہ گڑے ہیں پھر اکھڑیں دلِ چاک دردمنداں
تیرے تیر ناز کے جو یہ ہدف ہوئے ہیں ظالم
مگر انہیں تو ہے ہیں جگرِ نیازمنداں

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں	اس غمکدہ میں آہ دلِ خوش کہیں نہیں
انگو تو لعلِ نوخطِ خوباں کے دم نہ مار	ہر چند ای مسیح وہ باتیں رہیں نہیں

سن گوشِ دل سے اب تو سمجھ بیخبر کہیں	مذکور ہو چکا ہی مرا حال ہر کہیں
اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں	اطرافِ باغ ہونگے پڑے مشتِ پر کہیں

کیا ہیں نہیں رو کر فشارِ گریباں	رگِ ابر تھا تارِ تارِ گریباں

دیکھیں تو تیری کب تلک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
ٹک سُن کہ سو برس کی ناموس خامشی کھو
دو چار دن کی باتیں اب مُنہ پہ آئیاں ہیں

مرے آگو نہ شاعر نام پاویں
قیامت کو مگر عرصہ میں آویں

نہ ایک یعقوب رویا اس الم میں
کنواں اندھا ہوا یوسف کے غم میں

تیری زلفِ سیہ کی یاد میں آنسو جھمکتے ہیں
اندھیری رات ہے برسات ہے جگنو چمکتے ہیں

عام حکمِ شراب کرتا ہوں
محتسب کو کباب کرتا ہوں
ٹک نورہ ای بنا کے ہستی تو
مجھکو کیسا خراب کرتا ہوں

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی بندہ میں کچھ رہا نہیں
بوئے گل اور رنگِ گل اللہ ہی اللہ ہے نسیم
لیک بقدر یک نگاہ دیکھیے تو وفا نہیں

ایسے محروم گئے ہم تو گرفتار چمن   کہ موئے قید میں دیوار بدیوار چمن
سینہ پُر داغ کا احوال ہیں پوچھے ہیں نسیم   یہ بھی تختہ کبھی ہووے گا سزاوار چمن
خوں ٹپکے ہے پڑا نوک سے ہر ایک کے ہنوز   کس ستم دیدہ کے مژگان ہیں یہ خار چمن

عاشق ہی یا مریض ہی پوچھو تو میر سے   پاتا ہوں زرد روز بروز اس جوان کو میں

میرے اُستاد کو فردوس اعلیٰ میں ملے جاگہ   نہ سکھلایا بغیر از عشق مجکو خوردسالی میں

آہ اور اشک ہی سدا ہے یہاں   روز برسات کی ہوا ہی یہاں
جس جگہ ہو زمین تفتہ سمجھ   کہ کوئی دل جلا گڑا ہے یہاں

یہ غلط کہ میں پیا ہوں قدحِ شراب تجھ بن   نہ گلے سے میرے اترا کبھی قطرۂ آب تجھ بن
میں لہو پیوں ہوں غم میں عوضِ شراب ساقی   شبِ تیغ ہو گئی ہی شبِ ماہتاب تجھ بن
کٹی عمر میری ساری جیسے شمع باد کے بیچ   یہی رونا جلنا گلنا یہی اضطراب تجھ بن

نسیمِ مصر کب آئی سوادِ شہر کنعاں کو   کہ پھر جھولی نہ یہاں سے لگی گلہائے حرماں کو
لوئی کا ٹٹا سیرہ کا ہماری خاک پر بس ہے   گُلِ گلزار کیا درکار ہی گورِ غریباں کو

زبان نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا ملایا تھا — میری طینت میں یارب سودۂ دلہائے نالاں کو
گل و سنبل ہیں نیرنگِ قضا مت سرسری گزرے — کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بنائے اس گلستاں کو
کریں پامالِ ملک فرشِ رہ اس ساعت کہ محشر میں — اٹھو دو با کفن لاویں شہیدِ نازِ خوباں کو
صدائے آہ جیو کے پار ہوئی تیر سے تنہا ید — کسی بیدرد نے کھینچا کسی کے دل سے پیکاں کو
کیا سیر اس خرابے کا بہت اب چلئے سو رہیے — کسو دیوار کے سایہ میں منھ پر لیکے داماں کو

کیا ہی گر بدنامی و حالت تباہی کبھی نہ ہو + عشق کیسا جس میں اتنی رسوائی کبھی نہ ہو

جب سے جہاں میں ہے سحر تیری کمی دل ہوں جستجو
خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو

آنکھوں سے دل تلک ہیں چنے خوانِ آرزو
نوامیدیاں ہیں کتنی ہی مہمانِ آرزو
اس مجھلے کو سیر کروں کب تلک کہ ہے
دستِ ہزار حسرت و دامانِ آرزو

دلِ پرخوں ہی یہاں تجکو گماں ہے شیشہ — شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ

شیشہ بازی تو ٹک ایک دیکھیے آ آنکھوں کی　ہر مژہ پر ہیں سبھی اشکوں سے رواں ہی شیشہ
جا کے پوچھا جو میں کل کارگہ مینا میں　دل کی صورت کا بھی ای شیشہ گراں ہی شیشہ
کہنے لاگے کہ کدھر بہکا پھرے ہے ای مست　ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے یہاں ہی شیشہ
دل ہی سارے تھے پہ ایک قدرت حق کرکے گداز　شکل شیشہ کی بنائیں ہیں کہاں ہی شیشہ

جو ہوشیار ہو سو آج ہو شراب زدہ　زمین میکدہ یکدست ہے گی آب زدہ

بنے یہ کیونکہ ملے تو ہی یا ہمیں سمجھیں　ہم اضطراب زدہ اور تو حجاب زدہ

کہتے ہیں اڑ بھی گئے جل کے پر پروانہ　کچھ سنی سوختگان نے خبر پروانہ
سعی اتنی تو ضروری ہی اٹھے بزم سلگ　ای جگر تفتگی سنے اثر پروانہ
بزم دنیا کی تو دلسوزی سنی ہو گی میر　کس طرح شام یہاں ہو سحر پروانہ

اس اسیری کے نہ کوئی ای صبا پالے پڑے
یک نظر گل دیکھنے کے بھی ہمیں لالے پڑے
حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش
رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے

اس واسطے کانپوں ہوں کہ ہے آہ تنگِ سرد
یہ باو کلیجے کے کہیں پار نہ ہووے

کرے ہے خندۂ دنداں نما تو میں بھی روؤنگا
چمکتی زور ہے بجلی مقرر آج باراں ہے

چمن پر نوحہ زاری سے ہے کس کا عام یہ ماتم
جو شبنم ہے تو گریاں ہے جو بلبل ہے تو نالاں ہے

الم سے یہاں نہیں تو ہیں ہیں مشقِ ناتوانی کی
کہ میری جان نہیں تن پہ میرے آ کر گرانی کی
چمن کا نام سُنا تھا و لے نہ دیکھا ہائے
جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

سمجھے ہی نہ پروانہ نہ تھا نبے ہی زبان شمع وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے

لیتا ہی نکلتا ہے میرا لختِ جگر اشک آنسو نہیں گویا کہ یہ ہیرے کی کنی ہے

ای میرے جگر ٹکڑے ہوا دل کی تپش سے　　شاید کہ میرے جی پر اب آن بنی ہی

گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی　　رشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی
اپنے کوچہ سے نکلیو تو سنبھالے دامن　　یادگار مژۂ میر ہیں واں خار کئی

صبح سے بن علاج تو خوش ہے　　تیرا بیمار آج تو خوش ہی
میر پھر کہیو سرگذشت اپنی　　بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ہی

مر ہی جاویں گے بہت ہجر میں ناشاد رہے
بھول تو گئے ہو انہیں پر یہ تمہیں یاد رہے
ہم سے دیوانہ پھریں شہر میں سبحان اللہ
دشت میں قیس پھرے کوہ میں فرہاد رہے

مرے درد دل کا تو یہ جوش ہے　　کہ عالم جہان سیہ پوش ہے
گیا روبرو اس کے کیوں آئینہ　　کہ بیہوشی اس کا دم اور ہوش ہے

اچنبا ہی اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آوے　　وگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اس کو خواب آوے

لپیٹا ہی دل سوزاں کو اپنے میں نے خط میں   الٰہی نامہ بر کو اُس کے لیجانے کی تاب آوے
اس دشت میں ای سیل سنبھل ہی کے قدم رکھ   ہر سمت کو یہاں دفن میری تشنہ لبی ہے

بتاں تو چھوڑ دیتے کر کے خاکِ راہ کے صدقے
مجھے محفوظ رکھا اپنے ہیں اللہ کے صدقے

کیا خط لکھوں میں گریہ سے فرصت نہیں رہی
لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بہی بہی

ملوں کیونکہ ہمرنگ ہو تجھ سے ظالم   تیرا رنگ شعلہ مرا رنگ کاہی

اب خدا مغفرت کرے اُس کو   صبر مرحوم تھا عجب کوئی

سبھوں کے خط لیے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہی
چلا ہے یار کے کوچہ کو اور مجھ سے چھپاتا ہی

ہو گئی شہر شہر رسوائی   ای میری موت تو بھلی آئی

میر جب سے گیا ہی دل تب سے — میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودائی

بارے نسیم ضعف سے کل ہم اسیر بھی — سناٹے میں جیو کے گلستاں تلک گئے
صد کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں — گویا متاعِ دل کے خریدار مر گئے

تمام اُس کے قد میں سناں کی طرح ہی — نکیلی مِٹھ اُس جوان کی طرح ہے
اوڑے خاک گاہے رہے گاہ ویراں — خراب اور پریشاں یہاں کی طرح ہے
تعلق کرو میر اس پر جو چاہو — مری جان یہ کچھ جہاں کی طرح ہے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گزر گئے ؛ بس اے تپِ فراق کہ گرمی میں مر گئے
ناصح نہ رو وہیں کیونکہ محبت کے جیو کو ہم ؛ اے خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے

ہنگامہ میری نعش پہ تیری گلی میں ہے ؛ لیجائینگے جنازہ کشاں یہاں سے کب مجھے

کاتب کہاں ملع جواب شکوہ تانیے ؛ بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جانیے
شب خواب کا لباس ہے عریاں تنی میں یہ ؛ جب سوئیے تو چادرِ مہتاب تانیے

کب تلک جیور کے خفا ہووے   آہ کرنے کی ٹک ہوا ہووے
نے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم   دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

ہی یہ بازارِ جنوں منڈی ہو دیوانوں کی   یہاں دکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی
خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک ای خانہ خراب   یہی اک رہ گئی ہی بستی مسلمانوں کی
کیونکہ کہیے کہ اثر گریۂ مجنوں میں نہ تھا   گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

نہیں وسواس جیو گنوانے کے   ہائے رے ذوق دل لگانے کے
میرے تغیرِ حال پر مت جا   اتفاقات ہیں زمانے کے

غافل ہیں رہا تجھ سے مٹھی تا بجوانی   ای عمر گذشتہ میں تیری قدر نجانی
مدت سے ہیں ایک مشتِ پر آوارہ چمن میں   نکلی ہی یہ کس کی ہوسِ بال فشانی
یہ جان اگر بید مولہ کہیں دیکھیے   رہ گئی ہی کسی موئے پریشاں کی نشانی
بھاتی ہے مجھے ایک طلبِ لب یہ میں آن   لکنت سے الجھ جا کے تجھے بات نہ آئی

بسکہ ہی گردونِ دل پرور دلی   ہوئے پیوند زمیں یہ رفتنی
بزم میں سے اب تو چل ای رشکِ صبح   شمع کے منہ پر تو پھر گئی مردنی

اس ستم دیدہ کی صحبت سے جگر لوہو ہے
اب ہو جاوے کہ یہ دل خلۂ پہلو ہے

دہر بھی میر طرفہ مقتل ہے
جو ہے سو کوئی دم میں فیصل ہے
روز کہتے ہیں ملنے کو خوباں
لیکن اب تک تو روزِ اوّل ہے

ق

ہجر باعث ہے بدگمانی کا
غیرتِ عشق ہے تو کب کل ہے
مر گیا کوہکن اسی غم سے
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

خنجر بکف وہ جب سے سفاک ہو گیا ہے
ملک اِن ستم زدوں کا سب پاک ہو گیا ہے
دیوار کہنہ ہے یہ مت بیٹھ اس کے سائے
اُٹھ چل کہ آسماں سب کاواک ہو گیا ہے
زیرِ فلک بھلا تو رووے ہے آپ کو میر
کس کس طرح کا عالم یہاں خاک ہو گیا ہے

ساقی گھر چاروں اور آیا ہے
دے کبھی مے ابر زور آیا ہے
ذوق تیرے وصال کا میرے
ننگے سر تا بگور آیا ہے

کل ہم سے اس سے یارے ملاقات ہو گئی
دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی
کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شامِ ہجر
سو زلفیں ہیں بنائے اُسے رات ہو گئی

گردش نگاہ مست کی موقوف ساقیا　　مسجد تو شیخ جیو کی خرابات ہو گئی
کتنا خلاف وعدہ ہوا ہوگا وہ کہ یہاں　　نومیدی اور امید مساوات ہو گئی
اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ملے اُس کے رُوبرو　　رنجش کی وجہ میر وہ کیا بات ہو گئی

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے　　ہر سر حرف پہ فریاد و نہایت کیجے

قصد اگر امتحان ہے پیارے　　اب تلک نیم جان ہے پیارے
سجدہ کرتے ہیں سر کٹیں ہیں جہاں　　سو ترا آستان ہے پیارے
میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے　　جان ہے تو جہان ہے پیارے

رباعی

تجھ رہ سے محال ہے اُٹھانا مجکو　　خبطی کہے کوئی کہے سیانا مجکو
سر میرا لگا ہے نقش پائے تیرے　　سجدہ کو خدا کے بھی بجانا مجکو

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا　　میخانہ میں جوش بادہ نوشاں دیکھا
اک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے　　دیکھا سو محلۂ خموشاں دیکھا

کاہیکو کوئی خراب خواری ہوتا　　کاہیکو کسی پہ جان بھاری ہوتا

دلخواہ ملاپ ہوتا تو تو ملتے ٭ اے کاشکے عشق اختیاری ہوتا

جگ میں جوں شمع پانو جل کر رکھنا ٭ یا بنکے بگولا ہاتھ مل کر رکھنا
آیا ہی قمار خانۂ عشق میں تو ٭ سربازی ہے یہاں قدم سنبھل کر رکھنا

کیا کریے بیاں مصیبت اپنی پیارے ٭ دن عمر کے میری غم میں گزرے سارے
رنج و ضعف و بلا مصیبت محنت ٭ پنپا ہی نہ میں تو ان دکھوں کے مارے

پیغمبر حق نے حق دیکھا یا اُس کا ٭ معراج ہے کمترین پایا اُس کا
سایہ جو اُسے نہ تھا یہ باعث ہے گا ٭ کل حشر کو ہوگا سب پہ سایا اُس کا
دل تجھ پہ چلے نہ کیونکہ مرا بیتاب ٭ یہاں مجکو توقع ہے کہ لاناہی جواب
وہاں اُن نے شراب پی کے مستی میں تمیر ٭ کرکھائے بھی نامہ بر کتوبر کے کباب

بدانکہ ریختہ بر چندیں قسم است۔ از انجملہ آنچہ معلوم فقیر است نوشتہ می آید۔ اول آنکہ یکمصرعش فارسی و یک ہندی۔ چنانچہ قطعہ حضرت امیر علیہ الرحمۃ نوشتہ شد۔ دوم آنکہ نصف مصرعش ہندی و نصف فارسی۔ چنانچہ شعر میر معز کہ نوشتہ آمد۔ سوم آنکہ حرف و فعل فارسی بکار میبرند، و ایں قبیح است۔ چہارم آنکہ ترکیبات فارسی

می آرند اکثر ترکیب کہ مناسبِ زبانِ ریختہ می افتد، آں جائز است۔ و ایں را غیر شاعر نمی داند۔ و ترکیبے کہ نا مانوس ریختہ می باشد آں معیوب است، و دانستنِ ایں نیز موقوف سلیقۂ شاعری است۔ و مختار فقیر ہم ہمین است۔ اگر ترکیب فارسی موافقِ گفتگوے ریختہ بود مضایقہ ندارد۔ پنجم ایہام است کہ در شاعران سلف دریں فن رواج داشت اکنوں طبعہا مصروفِ ایں صنعت کم است، مگر بسیار برجستگی بستہ بشود۔ معنی ایہام ایں است، کہ لفظے کہ بر او بناے بیت بود آں دو معنی داشتہ باشد یکے قریب و یکے بعید و بعید منظور شاعر باشد و قریب متروکِ او۔ ششم انداز است، کہ ما اختیار کردہ ایم و آں محیط ہمہ صنعتہا است۔ تجنیس، ترصیع۔ تشبیہہ۔ صفائے گفتگو۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ادا بندی۔ خیال وغیرہ۔ اینہمہ در ضمنِ ہمین است۔ و فقیر ہم از ہمین وتیرہ محظوظ ہر کرا در ایں فن طرزِ خاصی است ایں معنی را می فہمد۔ با عوام کار ندارم، اینکہ نوشتہ ام براے یارانِ من سند است نہ براے ہر کس زیرا کہ عرصۂ سخن وسیع است و از تلونِ چمنستانِ ظہور آگہیم۔ مصرع

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

تمام شد

(1) one mesra in place of the [illegible] [illegible]
Mani Khusra
(2) secondly, half the misra is persian & the other half
Hindi like the verses of the [illegible] [illegible]
(3) the use of prepositions are in persian but this is
objectionable.
(4) They use Persian constructions, this is allowable to the exten[t]
it [illegible] into the construction of the Rekhta idiom
— this is known only to poets [illegible] but if it is ordinary
[illegible] [illegible] [illegible] objectionable. It is also [illegible]
that this is one of the methods [illegible] by poets of that
[illegible] [illegible] [illegible] it. If the Persian construction
is in the spirit of the Rekhta language there is no
harm in adopting it.
(5) Iham was much in vogue with former poets but
now it is no longer in use & [illegible] no harm in the
[illegible] it is [illegible] [illegible]. Iham means that the
[illegible] in which the meaning of the verse depends
has two [illegible], one obvious & the other
[illegible] [illegible] [illegible] & the latter which is [illegible] the
The style which I have adopted [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] as [illegible], [illegible] of
corresponding words in rhyme & [illegible]

اور طریقہ پر ان کی تعلیم ہونی چاہیے انکی تشریح کیلیے ایک کلید بھی تیار کی گئی ہے۔ قاعدہ کلید قاعدہ ۳

دریائے لطافت۔ ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشا اللہ خاں کی تصنیف ہے اُردو صرف نحو اور محاورات و الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں غیر مجلد عہ

طبقات الارض۔ اس فن کی پہلی کتاب ہے۔ تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلمبند ہیں، کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے اوقات کی فہرست بھی منسلک ہے عہ

مشاہیر یونان و روما۔ پلوٹارکس لائوز کا ترجمہ ہے سیرت نگاری اور انشا پردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے، ادیبان عالم بلکہ شیکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے وطن پرستی عزم جانفروشی کی مثالوں سے ہر ایک صفحہ لبریز ہے۔ جلد اول (غیر مجلد) جلد دویم (مجلد)

اسباق النحو۔ ملک کے ادیب کامل مولانا حمید الدین صاحب بی اے کی تالیف سے ہیں،

اختصار کیساتھ وجود عربی صرف نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے۔ فی رسالہ ۲

علم المعیشت۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے مشکل و مبہم مسائل کو پانی کر دیا گیا ہے اسکے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں اشتراکیت کا باب قابل دید ہے اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے ضخیم ۵۰۰ قیمت صرف للعہ مجلد

تاریخ اخلاق یورپ۔ اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام تحقیق و صداقت کا مرادف ہے یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن معاشرت، اصول اخلاق مذاہب و اخلاق و خیالات کا مرقع ہے جلد اول مجلد ے جلد دوم مجلد ے،

مبادی سائنس۔ فرانسیسی سے انگریزی اور انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کی گئی ہے اس کا بیان سہل اور مقبول عام ہے اُردو ترجمہ صرف ایک حصہ کا ہے اور آخر کتاب میں فرہنگ مصطلحات بھی ہے۔ (صفحات ۲)

تاریخ یونان قدیم۔ یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ اسکا نقطہ خیال

خاصا ہندوستانی ہی۔ ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ پانچ مجلد (عا)

انتخاب کلام میر۔ میر تقی میر سرتاج شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب ہی۔ مولوی عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ہی۔ شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر بہت مفصل ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا گیا ہی (عہ)

رسالہ ہیئات [illegible] اس موضوع کا پہلا رسالہ [illegible] علمی اصطلاحات سے مبرا سلاست و روانی سے مملو اور دلچسپ۔ مفید ہی۔ طلبا رسالہ تا ہنوز مسائل کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں۔ (عمر)

دیباچہ صحت۔ اس کتاب میں مطالبات صحت مثلاً ہوا، پانی، غذا، لباس، مکان وغیرہ پر بسیط اور دلچسپ بحث کی گئی ہی زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دل پذیر ہی ملک کی بہترین تصنیف ہی، اس کا مطالعہ طبیبوں کے کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا مجلد (للعہ)

قواعد اردو۔ ارباب فن کا اتفاق ہی کہ اردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھی گئی۔ بسیط تشریح کے علاوہ اسمیں بڑی خوبی یہ ہی کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہی (عا)

فلسفہ تعلیم۔ ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلہ تعلیم کی آخری کتاب ہی۔ غور و فکر کا بہترین کارنامہ اور والدین و معلم کے لیے چراغ ہدایت ہی تربیت کے بنیادی قوانین کو اس قدر صحت کیساتھ مرتب کیا ہی کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہی اسکا نہ پڑھنا گناہ ہی۔

نپولین اعظم۔ ایبٹ کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ ہی، کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ نپولین کی زندگی بشری جد و جہد کا آخری باب ہو واقعات کی داد یا تو سکندر کی زبان ادا کر سکتی ہی یا نپولین کی زبان۔ ترجمہ آسان اور عام فہم ہی مکمل پانچ جلد (للعہ)

فلسفہ جذبات۔ کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہی جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت عالمانہ زبان میں نہایت بحث کی گئی ہی مشکل نفسیات کے نہایت سلیس ... مجلد (عا)

نکات الشعراء۔ یہ اردو شعرا کا تذکرہ میر تقی میر کی تالیف ہے۔ اسمیں میر صاحب کی سلیس اور زبان کے بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں۔ مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی نے اس پر ایک اقتصاد اور دلچسپ مقدمہ بھی لکھا ہے۔